بیگم صاحبہ

شوکت تھانوی

FACIAL PAINT
LOTION
FACIAL PAINT
LIPSTICK
FACE POWDER
HAIR COLOR
POWDER

بیگم صاحبہ

(ناول)

Scanned by iqbalmt@oneurdu.com

شوکت تھانوی

رابی کتاب گھر
C-20 ۔ جیوتی کالونی، لونی روڈ، شاہدرہ، دہلی ۔ 110032

نام کتاب : بیگم صاحبہ
مصنف : شوکت تھانوی
سن اشاعت : ۲۰۰۹ء
قیمت : =/190 روپے
مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس، شاہدرہ، دہلی۔ 32
ناشر : راہی کتاب گھر، C-20۔ جیوتی کالونی، لونی روڈ، شاہدرہ، دہلی۔ 110032

ISBN-81-88645-47-8

Begum Sahiba
By.: Shaukat Thanvi
Price : Rs.190/=
Edition : 2009
RAHI KITAB GHAR
C-20, Jyoti Colony, Loni Road,
Shahdara, DELHI-110032
Mobile : 9818786196

Sole Distributors:-
KITAB WALA
2794, Gali Jhot Wali,
Pahari Bhojla, DELHI-110006
Ph.: (O)23281499, 9810277298

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

انتساب

اقربا پروری کے اس دور میں
اپنے نام

شوکت تھانوی

بقول خدا بخش '' خدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ '' بیگم صاحبہ کی یہ عمر ملاحظہ فرمایئے اور ٹھسے دیکھئے کہ بال تو سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں مگر کیا مجال کہ جوڑے میں گجرا نہ لپیٹا جائے اور ایک گجرے پر کیا منحصر ہے، جس کو کہتے ہیں بال بال موتی پرونا وہ سلسلہ جاری تھا۔ اب تک مشہور تو ہیں سولہ سنگھار، مگر بیگم صاحبہ بیس پچیس سنگھار تو کرتی ہی ہوں گی علیٰ الحساب۔ خوشبودار بٹنا وہ ملواتی تھیں۔ جسم کے کپڑے درکنار ان کی تو چادر اور رضائی تک میں عطر لگایا جاتا تھا اور جب تک رات کے وقت تکیوں کے آس پاس بیلے چنبیلی کے تازہ پھول نہ رکھ دئے جائیں ان کو نیند نہ آتی تھی۔ صبح سے شام تک مشغلہ ہی صرف یہ تھا کہ ابھی حمام کر کے نکلی ہیں اور چیونٹیوں بھرے کباب کی طرح درجنوں لڑکیاں ان کے چمٹ گئیں۔ کوئی بال بنا رہی ہے کوئی تلووں میں معطر موم روغن مل رہی ہے۔ کوئی دوپٹہ چُن کر اس کو عطر سے بسا رہی ہے۔ کوئی پھولوں کے گہنے بیٹھی گوندھ رہی ہے۔ سامنے آئینہ رکھا ہے اور بیگم صاحبہ سرمہ لگا رہی ہیں۔ ایک طرف پاندان کا محکمہ ہے جس میں پستئی پانوں سے لے کر قیمتی سے قیمتی تمباکو تک موجود ہے۔ قوام ہے۔ قوام کی گولیاں ہیں۔ موٹی موٹی الائچیاں ہیں۔ چکنی ڈلی ہے۔ باجرہ چھالیہ ہے۔ دودھیا کتھا ہے۔ موتیا چونا ہے۔ لڑکیاں گلوریاں بناتی جاتی ہیں اور گنگا جمنی جھومر میں پروتی جاتی ہیں۔ شالباف کی نم صافی خاصدان میں اس جھومر کی منتظر ہے۔ دو چار لڑکیاں ہیں جو کچھ نہیں کر رہی ہیں،

iqbalmt@oneurdu.com

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام نام، واقعات، کردار، اور مقامات قطعی فرضی ہیں۔ کسی زندہ یا مردہ شخص سے مطابقت محض اتفاقیہ امر ہوگی، جس کے لیے مصنف یا ناشر پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔

صرف بیگم صاحبہ کی شان میں فی البدیہہ قصیدے پڑھ رہی ہیں۔

”ہائے میرے اللہ۔ آج تو خالہ جان میری آنکھوں میں خاک بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔“

”چچی سرکار پر دھانی رنگ، اللہ نظرِ بد سے بچائے، ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہے۔“

”پھوپھی امی آج پھولوں کی پھونچیاں بھی پہن لیجیے۔ اللہ قسم بڑی اچھی لگیں گی۔“

”ممانی حضور گلوری موہنہ میں رکھ لیجیے۔ روکھا روکھا موہنہ آپ پر زیب نہیں دیتا۔“

اور خدا بخش ہے کہ یہ سب کچھ دیکھ دیکھ کر کھول رہا ہے اور ان ہی چونچلوں کو دیکھ کر تو وہ کہتا ہے کہ رانڈ بیوہ ہونے پر تو یہ حال ہے اللہ جانے سہاگن ہوتیں تو کیا کرتیں۔ وہ چاہتا تھا کہ عام بیواؤں کی طرح بیگم صاحبہ بھی سفید کپڑے پہنا کریں، آئینہ دیکھنا چھوڑ دیں، پھولوں کی جگہ کانٹوں پر لوٹنا شروع کر دیں، بننے سنورنے کی جگہ اپنے کو اُجاڑ لیں۔ بات یہ ہے کہ خدا بخش نواب نظام الدولہ کا خاص ملازم تھا اور اُن ملازمین میں سے تھا جو اپنی وفاداری کی وجہ سے بہت ہی سر چڑھ جاتے ہیں۔ نواب صاحب کی پہلی شادی بھی اسی کے سامنے ہوئی تھی اور جب پہلی بیگم پندرہ برس ساتھ دے کر اللہ کو پیاری ہوئیں تو نواب صاحب نے بجائے اللہ اللہ کرنے کے بڑھاپے میں یہ دوسری شادی رچائی۔ ان بیگم صاحبہ کے والدین نے غالباً نواب صاحب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کی دولت کے ساتھ لڑکی کو بیاہا تھا۔ ورنہ سولہ سترہ برس کی لڑکی پچاس پچپن برس کے ”لڑکے“ کو کون دیتا ہے۔ خدا بخش کو اچھی طرح یاد تھا کہ جس دن نواب صاحب کی یہ دوسری شادی تھی خود اس نے نواب صاحب کے کھچڑی بالوں کو خضاب لگا کر سیاہ کیا تھا۔ مگر شادی کے بعد نواب صاحب ایک دم سے جوان ہوگئے نہ جانے ان میں جوانوں کی سی اُمنگیں کہاں سے پیدا ہوگئیں وہ اپنی غذا کا خاص خیال رکھنے لگے اپنی صحت کی ان کو بڑی فکر ہوگئی۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کی قسمت کھل گئی کہ نواب صاحب بیمار نہیں ہیں مگر دوائیں طرح طرح کی چلی آ رہی ہیں۔ یہ کھانے سے پہلے کی ہے یہ کھانے کے بعد کی ہے۔ یہ سونے کے وقت کی ہے۔ آخر کب تک؟ صحت اچھی رہنے کا مطلب یہ تو نہیں موت ہی سے آدمی مستثنیٰ ہو جائے۔ آخر وقت آگیا اور نواب صاحب اپنی لاکھوں کی جائداد بیگم صاحبہ کے لیے چھوڑ کر بے اولاد مر گئے۔ اعتراض کرنے والے اور نام دھرنے والے غالباً یہ چاہتے تھے کہ بیگم صاحبہ بھی اپنے کو ان ہی کی قبر میں دفن کرا دیتیں۔ مگر بیگم صاحبہ نے رسمی طور پر چند دن رو دھو کر اس نکتہ کو پالیا کہ ہر شخص تنہا پیدا ہوتا ہے اور تنہا ہی مرتا ہے۔ کوئی کسی کے لیے اپنے کو مار نہیں ڈالتا۔ لہٰذا انھوں نے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا اور زندگی زندہ دلی کے ساتھ گزارنے لگیں۔ ان کے لیے یہی کیا کم تھا کہ زندگی کا کوئی ساتھی نہ تھا مگر پہلے بھی وہ زندگی کا سفر کون سے رہوار وحشت پر طے کر رہی تھیں۔ ایک مریل سے ٹٹو پر سفر طے ہو رہا تھا اور اب پیدل اس سے زیادہ ہی تیز چل رہی تھیں۔ چوں کہ اس لاکھوں کی جائداد کا کوئی وارث نہ تھا۔ لہٰذا تمام دور اور نزدیک کے رشتے داروں نے ان کو گھیر رکھا تھا اور چوں کہ وہ خود بھی دربار لگانے کی دلدادہ تھیں لہٰذا اب سب کو سمیٹے ہوئے تھیں۔ بقول خدا بخش نواب صاحب کی حویلی کیا تھی اچھا خاصا اصطبل تھی۔ جس میں طرح طرح کے جانور بندھے کھاتے تھے۔ یہ بھانجی ہیں تو یہ بھانجی ہو سکتی ہیں۔ یہ بھتیجے ہیں تو ان کے متعلق خیال یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کے بھتیجے ہی ہوئے۔ مختصر یہ کہ ان ہی بھانجوں، بھانجیوں، بھتیجوں، بھتیجیوں اور مختلف قسم کے رشتے داروں سے حویلی کا ہر کمرا بھرا پڑا تھا اور بحیثیت مجموعی ان سب کا کام صرف یہ تھا کہ بیگم صاحبہ کی دربار داری کرتے رہیں وہ رات کو دن کہیں تو یہ بھی ثابت کریں کہ یہ جو چاند نظر آ رہا ہے یہ دراصل سورج کی ایک ٹھنڈی

ہی قسم ہے اور وہ اگر دن کو رات کہیں تو ان کا فرض تھا یہ ثابت کرنا کہ یہ سورج نہیں بلکہ چاند ہی ہے جو ذرا بھڑک اٹھا ہے۔ جس دولت کا کوئی وارث نہ ہو وہ جس طرح اُڑائی جا سکتی ہے اُڑ رہی تھی کہ آج یہ تفریح ہے تو کل وہ کھیل۔ دعوتیں ہو رہی ہیں۔ جلسے کیے جا رہے ہیں تفریحی سفر ہو رہے ہیں۔ کبھی محفل رقص و سرور گرم ہے تو کبھی مشاعرہ ہو رہا ہے۔ آج ساونی جلسہ ہے تو کل پکنک منائی جا رہی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک ہنگامے پر اس گھر کی رونق موقوف تھی۔ مگر شرط یہ تھی کہ نوحۂ غم نہ ہو صرف نغمہ شادی ہی ہو۔

دن رات ایک عجیب طوفانی سی کیفیت حویلی میں نظر آتی تھی۔ بات یہ تھی کہ آئے دن کے ہنگاموں کے علاوہ ان تمام حقداروں اور امیدواروں کی جو بیگم صاحبہ کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہ بھی تو کوشش ہوتی تھی کہ فرداً فرداً سب ہی بیگم صاحبہ کے سب سے زیادہ مقرب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ خوشامدوں کے پل باندھے جاتے تھے اپنی اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے سب ہی بے قرار رہتے تھے اور بیگم صاحبہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی سب ہی کو فکر تھی۔ مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ بیگم صاحبہ جس قدر مسعود سے متاثر تھیں اور کسی سے نہ تھیں اور جتنا خیال ان کو سعدیہ کا تھا کسی اور کا نہ تھا۔ حالانکہ یہ دونوں بیگم صاحبہ کی شان میں نہ قصیدے پڑھتے تھے۔ نہ ان کے حسنِ جہاں سوز پر دوسروں کی طرح مر مٹنے کو تیار رہتے تھے اور نہ ہر وقت ان کے احکام کے منتظر رہتے تھے کہ تعمیل کی سعادت کا شرف حاصل کریں۔ مسعود کو تو اپنے تعلیمی مشاغل ہی سے کم فرصت ملتی تھی اور سعدیہ کچھ تو طبعاً خلوت پسند تھی۔ کچھ اس کو ان بے ہودگیوں کی تاب نہ تھی جو ہر وقت بیگم صاحبہ کے دربار میں ہوتی رہتی تھیں۔ کہ ان کو چھینک آئی اور دوڑے سب رومال لے لے کر۔ کسی نے پنکھا ہلکا کیا۔ کسی نے دروازہ بند کر دیا۔ کوئی بیگم صاحبہ کی نبض لے کر بیٹھ گیا تو کسی نے پیشانی ٹٹولی۔ سعدیہ اس نامعقول خوشامد اور اس سستی چیز سے سخت متنفر تھی اور اس کو شرم سی آتی تھی۔ اگر وہ کسی وقت بیگم صاحبہ کی کسی واقعی اچھی بات کو بھی اچھا کہہ دے اپنی اس سچائی پر بھی اس کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ کہیں اس کو بھی خوشامد ہی نہ سمجھ لیا جائے اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھی اور کوشش کرتی تھی کہ صرف اسی وقت بیگم صاحبہ کے پاس جائے جب اس کو یاد کیا جائے۔ مگر باقی سب حیران تھے کہ اس برخود غلط اور مغرور لڑکی نے بیگم صاحبہ پر کیا جادو کر رکھا ہے کہ باوجود اُس کی اس بے رُخی کے بیگم صاحبہ کو جتنا خیال اس کا تھا اور کسی کا نہ تھا۔ رہ گئے مسعود ان کے متعلق تو اجمل میاں کا خیال یہ تھا کہ بیگم صاحبہ ان کے تعلیمی شوق کی وجہ سے ذرا ان کی طرف متوجہ ہیں مگر یہ توجہ عارضی ہے اور وہ اپنی حاضر باشی اور خدمت سے اپنی چرب زبانی اور بیگم صاحبہ کی مزاج شناسی سے مسعود کی جگہ جلد سے جلد حاصل کر لیں گے۔ مگر چوں کہ سعدیہ خود ان کی کمزوری تھی لہٰذا اس کے متعلق وہ بھی نہ چاہتے تھے کہ بیگم صاحبہ کی توجہ اس کی طرف سے ہٹے جہاں تک خود بیگم صاحبہ کا تعلق ہے وہ اجمل کی اس حد تک تو یقیناً قائل تھیں کہ یہ نہایت ہی منتظم قسم کے آدمی ہیں مگر ان کی بھونڈی خوشامد سے بھی بے خبر نہ تھیں۔

بیگم صاحبہ کو آرائش و زیبائش کا جو شوق تھا وہ تو خیر اُن کا مرض تھا۔ مگر ان کا محبوب ترین مشغلہ یہ تھا کہ ان کے اردگرد جو لڑکے اور لڑکیاں ہیں ان میں کچھ دل کے سودے ہوتے رہیں۔ اس سلسلے میں جہاں دیدہ بوڑھے خدا بخش کی رائے یہ تھی کہ چونکہ بے چاری بیگم صاحبہ خود عشق و محبت کی دولت سے ہمیشہ محروم رہیں لہٰذا ان کے اس جذبے کو اب اس صورت سے تسکین ہوتی تھی کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی کے لیے کچھ گہری گہری سانسیں لیتا ان کو نظر آ جائے یا کسی لڑکے کو دیکھ کر کسی لڑکی کا یکا یک سرخ ہو جانے والا چہرہ ان کو نظر آ جائے۔ پھر وہ طرح طرح سے اس آگ کو اپنے دامن کی ہوا دے کر بھڑکاتی تھیں اور اس رُومان کو اپنے زیر سایہ پروان چڑھا کر خود دونوں کی رازدار بن جایا کرتی تھیں۔ دونوں کی روداد عشق علیحدہ علیحدہ بڑا کیف لے کر سنتی تھیں اور ایسے مواقع بہم پہنچایا کرتی تھیں۔ کہ یہ رُومان شدید سے شدید تر ہوتا جائے بلکہ بعض اوقات تو وہ بغیر کسی بات کے خواہ مخواہ بھی کوئی غلط اندازہ کر کے اس کو صحیح واقعہ بنانے کے درپے ہو جایا کرتی تھیں۔ اس قسم کے کھیل وہ برابر کھیلتی رہتی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس حویلی میں تقریباً سب ہی لڑکے کسی نہ کسی لڑکی کے لیے آنکھوں میں پیغام لیے پھر رہے تھے اور تقریباً تمام لڑکیاں کسی نہ کسی لڑکے کو دیکھ کر نگاہیں جھکا کر اس کو کن انکھیوں سے دیکھنے کی مشق کرتی نظر آتی تھیں اور یہ گھر کچھ عجیب پریم نگر بنا ہوا تھا مگر ان کا بس اگر کسی پر نہ چلا تو وہ سعدیہ تھی۔ حالانکہ ان کو معلوم

تھا کہ اجمل کے دل میں اس کے لیے چور موجود تھا۔ مگر سعدیہ نے اپنے کو کچھ ایسے رکھ رکھاؤ سے رکھا تھا کہ اجمل تو اجمل خود بیگم صاحبہ نے بھی یہ جرأت کبھی نہ کی کی سعدیہ تک اجمل کا پیغام پہنچا دیتیں۔ مسعود کے لیے بھی نازلی کی نگاہوں میں ایک پیام تھا مگر اس پیام کی رسید کبھی مسعود کی طرف سے نہ دی گئی۔ کئی مرتبہ بیگم صاحبہ نے مسعود کو نہایت شاعرانہ انداز سے اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر مسعود نے ہمیشہ یہ بات مذاق میں اڑا دی اور اپنی فقرہ بازیوں سے اس قصے ہی کو ختم کر دیا۔ مسعود کے متعلق اب بیگم صاحبہ کی یہ رائے ہوتی جاتی تھی کہ کالج کا یہ کھلنڈرا لڑکا یا تو ذہنی طور پر ابھی بالغ ہی نہیں ہوا ہے۔ ورنہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے اور کالج ہی میں کہیں یہ حضرت دل کا سودا کر چکے ہیں۔

آج جب مسعود کا نتیجہ نکلا اور بیگم صاحبہ کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ مسعود نے ایم. اے فائنل میں بڑی شاندار کامیابی حاصل کی ہے تو وہ وفور مسرت سے خود مسعود کے کمرے میں جا پہنچیں۔ ورنہ وہ شاذ و نادر ہی کسی کے کمرے میں جایا کرتی تھیں۔ مسعود ابھی تک بستر پر لیٹا اخبار ہی پڑھ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ کی اس اچانک تشریف آوری سے گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور ان کو تعظیم دیتے ہوئے کرسی پر پڑے ہوئے کپڑے سمیٹنے لگا۔ کہ بیگم صاحبہ کو بیٹھنے کے لیے جگہ تو مل جائے۔ بیگم صاحبہ نے مسعود کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''خیر تم تو یہ سوچ کر میرے پاس نہیں آئے کہ تمہاری کامیابی پر میں بھلا کیوں خوش ہونے لگی۔ مگر دیکھ لو کہ میں اتنی خوش ہوں کہ مبارکباد دینے دوڑی آئی۔''

مسعود نے کہا۔ ''بہرحال آپ تشریف تو رکھئے۔ میں شرمندہ ہوں کہ آپ کو اس شکایت کا موقع ملا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں محض پاس ہو جانے کو کامیابی نہیں سمجھتا۔ سوال تو یہ ہے کہ اب کیا ہوگا۔ عملی زندگی میں کس دروازے سے داخل ہونے کا موقع

ملے گا۔ اصل کامیابی تو وہ ہے۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ’’جس خدا نے امتحان میں کامیابی دی ہے اور تعلیم ختم کرائی ہے وہی اس کے بعد کی صورتیں بھی نکالے گا۔ مگر آج شام کو اس خوشی میں فی الحال چائے پر سب کو جمع کیے لیتی ہوں۔ اس کے بعد پھر اطمینان سے تمہاری کامیابی کی خوشی مناؤں گی۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’آپ کو تو بہانہ ملنا چاہیے کوئی نہ کوئی پارٹی دینے یا دعوت کرنے کا۔ ورنہ یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے‘‘ اس عرصے میں مسعود کی کامیابی کی خبر ساری حویلی میں پھیل چکی تھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بیگم صاحبہ بنفس نفیس مسعود کے کمرے میں گئی ہیں، چنانچہ ہر طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی اور آنے والوں میں سب سے پہلے اجمل میاں تھے جو آتے ہی مسعود سے گتھ گئے اور حسب عادت نہایت بے محل شعر پڑھ دیا کہ ؎

شرمندہ ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

بیگم صاحبہ نے بے ساختہ ہنس کر فرمایا۔ ’’یا وحشت کوئی پوچھے بھلا یہ کون سا موقع تھا اس شعر کا۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’خالہ جان امتحان کا لفظ شعر میں موجود ہے۔ لہٰذا موقع ہی کا ہوا یہ شعر تقریباً۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’ارمان رہ گیا کہ اجمل میاں کبھی تو کوئی با محل شعر پڑھ دیا کریں۔‘‘

اجمل نے احمقانہ ہنسی ہنس کر کہا’’ خیر اس وقت تو مارے خوشی کے کہنا کچھ چاہتا ہوں زبان سے نکل رہا ہے کچھ۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’اچھا اب آپ اپنے حواس ٹھیک کر کے یہ سن لیں کہ آج پانچ بجے اس خوشی میں ایک چھوٹی سی پارٹی ہے۔ گھر کے لوگوں کے علاوہ اس پارٹی میں مسعود کے کالج کے دوست بھی ہوں گے۔‘‘ ’’کیوں مسعود میاں کتنے دوست ہوں گے تمہارے۔‘‘ مسعود نے کہا۔ ’’خالہ جان کالج کے دوستوں کو جانے دیجئے۔ ایسی ہی آپ کی خوشی ہے تو بس گھر کے ہی لوگ ہوں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’خیر میں تم سے مشورہ نہیں لے رہی ہوں میں تو یہ پوچھتی ہوں کہ کالج سے کتنے آدمیوں کو بلاؤ گے۔ تمہارے ساتھ جو لڑکیاں تھیں ان کو بھی بلا لو نا۔‘‘

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ’’لڑکیوں کو؟ لیجیے اب میں لڑکیوں کو بلاتا پھروں گا تا کہ وہ بیچاریاں نہ جانے کس کس غلط فہمی میں مبتلا ہوتی پھریں‘‘ بیگم صاحب نے اُوئی والی انگلی لب زیریں کے نیچے رکھ کر فرمایا۔ ’’لو بھلا اس میں غلط فہمی کی کیا بات ہوئی۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’آپ کو نہیں معلوم خالہ جان یہ لڑکیاں تو اپنے کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے بہانے ڈھونڈھا کرتی ہیں۔ یہ تو چائے پر بلانا ہوا اُن سے تو اگر ذرا سا یہ بھی پوچھ لیجیے کہ آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہے تو وہ اسی کو ہزار معنی پہنانا شروع کر دیتی ہیں کہ آخر مجھ سے وقت کیوں پوچھا۔ وقت پوچھتے وقت وہ گھبرائے ہوئے کیوں تھے۔ خیر وقت پوچھ لیا تو تو پوچھ لیا تھا۔ بعد میں نہایت مٹھاس کے ساتھ شکریہ کیوں ادا کیا اور پھر روز اسی کی منتظر رہتی ہیں کہ ان سے وقت پوچھا جائے اور اگر نہ پوچھا جائے تو وہ برا مانتی ہیں، اس کو اپنی تذلیل سمجھتی ہیں۔ وقت نہ پوچھنے والے کو ابن الوقت کہتی ہیں۔ مختصر یہ کہ میں باز آیا ان کو بلانے سے۔‘‘

اجمل نے پورا مونہہ کھول کر ہنستے ہوئے کہا۔ ’’اجی بس رہنے بھی دیجئے۔

’’نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے‘‘

اور بیگم صاحبہ نے ہنسی کے شدید دورے میں مبتلا ہو کر کہا۔ ’’دیکھ لیجیے کتنے موقع کا

مصرع پڑھا ہے۔" سعدیہ جواب تک نہایت وقار کے ساتھ خاموشی کھڑی تھی آخر چُپ نہ رہ سکی۔ "اجمل صاحب آپ کو بڑی محنت کرنا پڑتی ہوگی محض چچی امی کو ہنسانے کے لیے بے محل اور بے تکے مصرعے اور اشعار ڈھونڈھنے میں۔"

اور اجمل ایک دم سنجیدہ بن گئے بلکہ بیگم صاحبہ کی ہنسی بھی رُک گئی مگر وضعداری کے لیے زبردستی کی ہنسی ہنس کر بولیں۔ "یہ بات نہیں ہے سعدیہ بی بی۔ یہ حضرت ہیں ہی کچھ اونٹ پٹانگ قسم کے آدمی۔"

سعدیہ نے بدستور طنز کے ساتھ کہا۔ "مگر مجبور ہیں بے چارے اس لیے کہ حکیم نے نسخے میں لکھ دیا ہے کہ شعر پڑھنا ضرور۔ مجھے تو چچی امی آپ کی ہنسی پر تعجب ہوتا ہے اگر یہ کوئی ہنسی کی بات تھی بھی تو ایک آدھ مرتبہ سے زیادہ تو کسی بڑے سے بڑے لطیفے پر بھی ہنسنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو غصہ آنے لگتا ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "بھئی مجھ کو اس لطیفے پر ہنسی نہیں آئی ہے بلکہ ان حضرت کے اس یقین پر ہنسی آتی ہے کہ ان کو اپنے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ شعر وشاعری میں ان کو کوئی بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ یہ اپنے نزدیک اشعار سے گفتگو کو سجاتے ہیں۔"

اجمل نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ "بہر حال یہ بحث تو بعد میں ہوتی رہے گی مگر مجھے شام کے لیے بہت کچھ انتظامات کرنا ہیں اس وقت وہ باتیں ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دیجئے کہ باہر کے کتنے آدمی ہوں گے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "تم علی الحساب گھر کے لوگوں کے علاوہ دس پندرہ باہر کے بھی سمجھ کر انتظام شروع کردو۔"

بیگم صاحبہ یہ کہہ کر اجمل کے اپنے ساتھ لیے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلدیں اور مسعود کو ہدایت کرگئیں کہ وہ اپنے احباب کو دعوت نامے بھیج دیں۔

کہنے کو تو یہ مختصر سی اور وقتی پارٹی تھی مگر بیگم صاحبہ کی اولوالعزمی کا اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حویلی کے پائیں باغ میں پانچ بجتے بجتے سفید وردی پر سیاہ پٹیاں باندھے ہوئے بیرے چھوٹی چھوٹی میزیں سجاتے پھر رہے تھے اور اس پارٹی کا اہتمام شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کے سپرد تھا۔ ان بیروں کے درمیان اجمل صاحب بھی پھرکی بنے ہوئے ناچتے پھر رہے تھے مگر ان کی تمام توجہ اس خاص میز کی طرف تھی جو بیگم صاحبہ کے لیے مخصوص تھی۔ اس پر ایک چھوٹا سا خوبصورت شامیانہ بھی تھا، نیچے قالین بھی بچھا گیا تھا اور کرسیوں کے بجائے صوفے بھی آراستہ کیے گئے تھے۔ حویلی کے اندر اس سے پہلے چہل پہل شروع ہوچکی تھی۔ اس لیے کہ پہلے تو خود لڑکیوں کو تیار ہونا تھا اس کے بعد بیگم صاحبہ کو تیار کرانا تھا۔ چنانچہ اس وقت سب کی سب خود تیار ہوکر بیگم صاحبہ کے آرائش خانے میں موجود تھیں اور اپنا اپنا کام سنبھالے ہوئے تھیں۔ کچھ بال سنوار رہی تھیں۔ کچھ کپڑے لا لاکر سامنے ڈھیر کرتی جاتی تھیں۔ کسی کی ضد تھی کہ بیگم صاحبہ غرارے کا نارنجی جوڑا پہنیں۔ کوئی آتشیں رنگ کی ساڑی اٹھالائی کہ آج تو آپ ساری باندھیں کسی نے فاختئی رنگ کا شلوار سوٹ تجویز کیا۔ مختصر یہ کہ جتنے مونہہ تھے اتنی ہی باتیں۔ آخر بیگم صاحبہ نے سعدیہ سے جو ایک طرف خاموش بیٹھی تھی پوچھا۔

"بتاؤ نا سعدیہ کون سے کپڑے پہن لوں؟"

سعدیہ نے مسکرا کر کہا۔ ''جب سب بتا چکتے تو میں خود بھی بتاتی مگر یہ اچھا ہی ہوا کہ آپ نے پوچھ لیا۔ میری رائے میں تو آپ کو بہت ہی سادہ لباس پہننا چاہیے آج۔ اس لیے کہ کالج کے لڑکے آئیں گے۔ ان کے سامنے آپ کی زیبائش سے زیادہ آپ کی متانت ضروری ہے۔''

بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر کہا'' سن لو تم سب۔ یہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں ہمیشہ یہی کہتی ہوں کہ تم سب صرف ہاتھ پیر سے کام لینا جانتے ہو اور سعدیہ اپنی عقل سے بھی کام لیتی ہے۔ کتنا صحیح مشورہ دیا ہے۔ جاؤ بیٹی تم خود اپنی پسند کے کپڑے میرے لیے نکال لاؤ۔''

یہ سنتے ہی سعدیہ تو گئی کپڑے نکالنے اور یہاں سب کی کارگزاریوں پر جیسے اوس پڑ کر رہ گئی۔ مگر جو چالاک لڑکیاں تھیں وہ بیگم صاحبہ کی چشم وابرو کا یہ واضح اشارہ پا کر سعدیہ کی شان میں قصیدے پڑھنے لگیں کہ سعدیہ باجی ایسی اور سعدیہ باجی ویسی البتہ نازلی نے جل کر کہا۔ ''دیکھ لیجیے گا، وہ ایسا جوڑا نکال کر لائیں گی جو خود ان ہی کی طرح روکھا پھیکا ہو۔''

بیگم صاحبہ نے ایک دم چونک کر کہا۔ ''اچھا تو تمہارے خیال میں سعدیہ روکھی پھیکی ہے۔ کہیں دیکھ تو نہیں لیا ہے تم نے اس کو مسعود کی طرف متوجہ۔ اس جلاپے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔''

نازلی نے دوپٹے کے آنچل سے کھیلتے ہوئے کہا۔ ''اوں۔ لو بھلا میں کیوں جلنے لگی۔ مجھے کسی مسعود وسعود سے کیا مطلب۔''

بیگم صاحبہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ''اچھا یہ بات ہے۔ تو پھر اب نہ دیکھوں میں کوئی مطلب۔'' نازلی کچھ عجیب جزبزی ہو کر رہ گئی۔ بہت ممکن تھا وہ کچھ کہتی مگر اس کو موقع نہ مل سکا۔ اس لیے کے سعدیہ بیگم صاحبہ کا جوڑا لے کر آ موجود ہوئی۔ وہ

بیگم صاحبہ کے لیے سفید ساٹن کا غرارہ لکھنؤ کے کٹاؤ کے کام کا کرتہ اور سفید کامدانی پڑا ہوا دوپٹہ نکال کر لائی تھی۔ بیگم صاحبہ نے جوڑا دیکھ کر کھل ہی تو گئیں۔ اس لیے کہ ان کو معلوم تھا کہ وہ اس سادگی میں بھی پرکاری دکھا سکیں گی۔ بیگم صاحبہ کے چشم وابرو کو تاڑنے والی لڑکیوں نے اس جوڑے کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دئے۔ مگر نازلی کے تیور وہی رہے جو پہلے تھے آخر سب نے مل کر بیگم صاحبہ کو کپڑے پہنائے اور جب وہ یہ سادہ لباس پہن کر قدِ آدم آئینے کے سامنے گئیں تو واقعی ان کی سادگی میں ایک حسین وقار نظر آ رہا تھا۔ ابھی بیگم صاحبہ اپنے آئینے سے خود اپنے متعلق تبادلۂ خیالات میں مصروف ہی تھیں کہ اجمل میاں گھبرائے ہوئے آئے اور بیگم صاحبہ کو دیکھ کر کچھ ٹھٹھک کر رہ گئے۔ نہ جانے کیا کہنے آئے تھے۔ مگر کہا تو یہ کہا کہ:

''کیا کہنا ہے صاحب۔ بخدا سنگِ مرمر کی صنعت کا دھوکہ ہوتا ہے اس لباس میں آپ کو دیکھ کر۔ یہ لباس آخر ہے کس کا انتخاب۔''

بیگم صاحبہ نے سعدیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' یہ ان کی رائے تھی کہ آج پارٹی میں مجھ کو بالکل ایسا لباس پہننا چاہیے۔''

اجمل نے نہایت سنجیدگی سے نہایت احمقانہ بات کہی۔ ''واللہ تاج محل معلوم ہو رہی ہیں آپ۔ مگر وہ تو ایک مقبرہ ہے آپ کی جان سے دور۔''

سعدیہ نے جل کر کہا'' وینس کا مجسمہ بھی آپ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ وہ بھی ایک بے جان بت ہے آپ کی جان سے دور۔''

بیگم صاحبہ نے کسر نفسی سے کہا'' آخر کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا۔''

سعدیہ نے کہا۔ '' کیسے ہو سکتا ہے کہ اجمل صاحب کچھ نہ کہیں۔ کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی چاہیے۔ حالانکہ دراصل کسی تشبیہ کی ضرورت ہی نہیں۔ بس یہ کافی ہے کہ اس

لباس میں خود آپ کی شخصیت اُبھر آئی ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "خیر اب اتنی باریک باتیں یہ بے چارے کہاں سے لائیں۔"

اجمل نے اس ذکر کو ٹالنے کے لیے کہا۔ "بہر حال میں یہ کہنے آیا تھا کہ اب آپ ہی کا سب کو انتظار ہے۔ مہمانوں کی آمد بھی شروع ہو گئی ہے۔ تین چار صاحبان آ بھی چکے ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے ایک نگاہِ واپسیں آئینے پر ڈالی اور سب کے ساتھ اس لان پر پہنچ گئیں جہاں پارٹی کا اہتمام تھا۔ ان کو دیکھتے ہی سب ادب سے کھڑے ہو گئے اور مسعود نے آگے بڑھ کر سب کا تعارف بیگم صاحبہ سے کرایا۔

"پہلے آپ سے ملیے خالہ جان۔ اکرم صاحب۔ آپ ہمارے کالج کے والدین ہیں اور آپ ہی کی دعا سے پاس ہونے والے پاس ہوتے ہیں اور آپ کی بد دعا سے فیل ہونے والے فیل ہوا کرتے ہیں۔ مگر اب کے آپ کی وضعداری میں یہ فرق آیا ہے کہ خود بھی پاس ہو گئے۔ نہ جانے کس ممتحن نے نشے کے عالم میں آپ کو بھی پاس کر دینے کی گستاخی کی ہے۔ اور آپ ہیں ریاض صاحب۔ کالج میں کرکٹ کھیلنے داخل ہوئے تھے مگر پڑھنا بھی پڑا۔ لاکھ چاہا کہ کسی طرح فیل ہو جائیں مگر انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کی ہر خواہش پہ دم نکلے

اور آپ ہیں اقبال صاحب۔ نام اقبال ہے اور شعر و شاعری سے اس قدر بیگانہ کہ آج تک کوئی شعر موزوں نہیں پڑھا بلکہ اکثر شعر کی جگہ اس کا مفہوم ترنم کے ساتھ سنا دیا کرتے ہیں۔ آپ ہیں احسن صاحب۔ کالج کی لڑکیوں کو جتنے قلبی امراض ہوتے ہیں سب کے براہِ راست آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ مگر بیچارے بھی

مجبور ہیں ؎

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

بیگم صاحبہ نے سب سے ملنے کے بعد فرمایا۔ "کالج کی لڑکیوں کا ذکر تو آ گیا مگر ان میں سے خود کوئی بھی نہ آئی۔"

احسن نے کہا۔ "وہ سب آج یومِ نجات منا رہی ہیں کہ کسی طرح مسعود کالج سے نکلے تو سہی۔"

بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔ "تو کیا مسعود ان کے لیے اتنا بڑا عذاب تھے۔"

اقبال نے کہا۔ "بات یہ ہے خالہ جان کہ ان حضرت نے یہ خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھی کہ کالج کی صاحبزادیوں کی غلط فہمی کا قرار واقعی ازالہ کرتے رہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ عام اخلاق مروت اور رواداری کو بھی بالائے طاق رکھ کر ایسی کھری کھری سنا جاتے تھے جس کو سننے کی لڑکیاں عموماً عادی نہیں ہوتیں۔"

اکرم نے کہا۔ "اور بعض اوقات حفظِ ماتقدم کے طور پر نہایت بھونڈی تنقید کر گزرتے تھے۔ خصوصاً شہناز کا تو ناک میں دم تھا اِن سے۔"

مسعود نے کہا۔ "اس کو آئینہ دکھانا تو میں ذوقِ سلیم کا فریضہ سمجھتا تھا۔ خالہ جان جن صاحبزادی کا نام شہناز ہے بخدا ان کے میک اپ کو دیکھ کر آنکھیں دکھنے آ جاتی تھیں اس قدر گاڑھا میک اپ کر کے اتنے شوخ رنگ اختیار کرتی تھیں کہ میں گھبرا کر تنقید کر گزرتا تھا کہ محترمہ بخدا آپ کا لباس چیخ رہا ہے۔ آپ اتنے بڑے ناخن بغیر لائسنس کے نہیں رکھ سکتیں۔ آپ بلاٹنگ پر بنی ہوئی رنگین تصویر نظر آتی ہیں۔ صاحب اگر میں ان کو دیکھتے ہی یہ تنقید نہ کر دیا کرتا تو وہ جان کو آ جاتیں۔"

چائے کا دور شروع ہو چکا تھا مگر شہناز کا ذکر جو چھڑا تو بیگم صاحبہ چاہتی تھیں

کہ یہ ذکر کسی طرح ختم ہی نہ ہو۔ ان کو تو جیسے عشق سا ہوا جا رہا تھا شہناز سے۔ یہاں تک کہ بڑے اشتیاق کے ساتھ ریاض سے کہا۔

''بھیا اس کو کسی طرح لاؤ تو سہی ذرا میں بھی تو دیکھوں وہ کیا چیز ہے۔''

اور ریاض نے وعدہ کر لیا کہ ''میں آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گا، مگر شرط یہی ہے کہ آپ مسعود صاحب کو ذرا سنبھالے رہیے کہ وہ بس ان ہی سے گھبراتی ہے۔''

iqbalmt@oneurdu.com

مسعود کے جو دوست پارٹی میں آئے تھے بیگم صاحبہ ان سے سے ایک ہی دن میں اس قدر گھل مل گئیں کہ اب ان کا آنا جانا بھی شروع ہو گیا اور ہر شام ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوتا تھا۔ بلکہ اگر کبھی کوئی ایک آدھ دن کے ناغہ کے بعد آتا تو بیگم صاحبہ سخت شکایت کرتیں۔ مگر اب تک ریاض اپنا یہ وعدہ پورا نہ کر سکے تھے کہ وہ شہناز کو ضرور لائیں گے۔ بیگم صاحبہ کا تقاضہ بدستور جاری تھا، آخر ایک دن ریاض کا یہ پرچہ بیگم صاحبہ کو ملا کہ آج ان کے ساتھ شہناز بھی آ رہی ہے اور اسی پرچہ میں یہ تاکید بھی تھی کہ مسعود کو ذرا سمجھا دیجئے گا کہ وہ ان کے گھر آ رہی ہے لہٰذا آج رعایت سے کام لیں۔ بیگم صاحبہ نے یہ پرچہ ملتے ہی مسعود کو خاص طور پر سمجھا بجھا کر وعدہ لے لیا کہ آج وہ شہناز سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کہے گا۔ خواہ وہ کیسی بھی پھبتی زیب بن کر کیوں نہ آئے۔ مسعود کے لیے تھا تو یہ بڑا مشکل کام مگر بیگم صاحبہ کے حکم کی تعمیل بھی بہر حال فرض تھی اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ضبط سے کام لوں گا تاوقتیکہ وہ صاحبزادی براہ راست اسی کو اپنا قصیدہ خواں بنانا نہ چاہیں۔ اس نے بیگم صاحبہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ شہناز سے اس کو اختلاف یہ نہیں ہے کہ وہ آرائش و زیبائش یا صورت گری میں بدمذاقی سے کام لیتی ہے۔ اس کی بلا سے خواہ وہ کتنی ہی بدمذاق بن کر پھرے ایک سے ایک بدمذاق پڑا ہوا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ ایک ایک سے داد خواہ بھی ہوتی ہے اور جو کوئی اس کی بدسلیقگی کو سلیقہ نہ کہے اس سے اسی کے تعلقات

خراب ہو جاتے ہیں۔ مگر بیگم صاحبہ نے اس کے باوجود اس سے وعدہ لے لیا کہ آج اگر یہ صورت بھی پیدا ہو جائے تو بھی تم کچھ نہ کہنا۔

سہ پہر کو بیگم صاحبہ کی کوٹھی کے اسی لان پر جہاں فوارے موتی اُچھالا کرتے ہیں معمول کے مطابق کرسیاں اور چند چھوٹی میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ بیگم صاحبہ سہ پہر کی چائے اسی سبزہ زار پر نوش فرماتی ہیں۔ مگر آج کی چائے پر ریاض اور شہناز کی بھی انتظار تھا۔ حسب معمول سب ہی جمع تھے۔ نازلی اپنی عادت کے مطابق پیشانی پر بل لیے موجود تھی۔ سعدیہ اپنے چہرے پر تمکنت لیے نہایت وقار سے ایک طرف بیٹھی تھی۔ اجمل اپنی حماقتوں کو یک جا کیے انتظامات میں مصروف تھے۔ حلانکہ کسی خاص انتظام کی ضرورت نہ تھی مگر وہ تو اپنے لیے خود ہی کام ڈھونڈ لینے کی عادی ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی اور کچھ نہیں تو کرسیوں کے زاویے ہی درست کرتے پھر رہے تھے۔ اس کام سے پہلے گلدستے کے پھولوں کا توازن درست فرما چکے تھے۔ بہر حال ان کے لیے نچلا بیٹھنا ناممکن تھا۔ مسعود تیار ہو کر چونکہ ابھی آیا تھا لہٰذا بیگم صاحبہ نے ایک مرتبہ اس کو قریب بلا کر کہا۔

”دیکھو بھئی یاد ہے نا اپنا وعدہ۔“

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ”جی ہاں یاد ہے۔ مگر انشاءاللہ آپ خود اپنے اس حکمِ امتناعی پر شرمندہ ہوں گی۔ خالہ جان اگر خود آپ کا جی نہ چاہنے لگے اُس کو بنانے اور اس پر فقرہ چست کرنے کو جب ہی کہیے گا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”بہر حال آج یہ فقرہ بازیاں نہ ہوں گی میں وعدہ کر چکی ہوں۔“

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ریاض کی ایم۔ جی تیرتی ہوئی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی شہناز بھی گہرے سُرخ رنگ کی ساری کے باندھے اور اس سُرخ رنگ کی ساری ساتھ نیلا جمپر پہنے جو عریانی کی حد تک نہایت مختصر تھا، سر پر غالباً پھولوں کی پوری ٹہنی لگائے اور واقعی میک اَپ تھوپے ہوئے موجود تھی۔ مسعود نے اس کو دیکھتے ہی بیگم صاحبہ سے کہا۔

”دیکھ لیجیے۔ ہے لال نیلی پنسیل یا نہیں۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”پھر وہی وعدہ خلافی۔“

مسعود نے کہا۔ ”ابھی وہ پہنچی کب ہے۔ اس کے آنے کے بعد میں کچھ نہ کہوں گا۔“

اس عرصے میں ریاض کے ساتھ شہناز بل کھاتی، لہراتی اور اپنی رفتار میں کچھ ضرورت سے زیادہ تصنع پیدا کرتی آموجود ہوئی۔ مسعود نے بڑھ کر دونوں کا خیر مقدم کیا اور پھر شہناز کو ایک ایک سے ملایا۔ بیگم صاحبہ نے اپنے برابر والی کرسی پر اس کو جگہ دیتے ہوئے کہا۔

”آپ کا ذکر ان لڑکوں سے اکثر سنا تھا۔“

شہناز نے قابلیت جھاڑتے ہوئے کہا۔

”ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے“

اس کو کیا معلوم تھا کہ اس محفل میں اس سے بھی زیادہ قابل لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ اجمل نے فوراً کہا۔ ”خیر یہ تو نہ کہیے آپ کا ذکر کسی برائی کے ساتھ یہاں کبھی نہیں ہوا۔“

شہناز نے کہا۔ ”جی ہاں اسی لیے تو میں نے اس شعر کا پہلا مصرعہ نہیں پڑھا۔“

اجمل نے بلاوجہ وہ مصرعہ پھر بھی جُھوم کر پڑھ دیا۔

”گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ“

مسعود نے کہا۔ ”شہناز صاحبہ اب تو مان جائیے کہ ہمارے اجمل بھائی کو غالب پر کتنا عبور حاصل ہے۔ شہناز نے غور سے اجمل کو دیکھ کر کہا۔ ”میں سمجھتی تھی کہ مجھ کو پورا شعر یاد دلا رہے ہیں۔ تو کیا یہاں صرف ایک مصرعہ پڑھنا ممنوع ہے۔“

بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔ ”یہ بات نہیں بلکہ آپ نے یہ مصرعہ پڑھ کر ہمارے اجمل میاں کے حقوق پر چھاپہ مارا تھا جسے وہ برداشت نہ کر سکے۔ اشعار اور مصرعے پڑھنے کو وہ بلاشرکت غیرے صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔“

شہناز نے کہا ”اوہ معاف کیجئے، مجھے خبر نہ تھی۔ میں اپنا مصرعہ واپس لیتی ہوں۔“

بیگم صاحبہ نے اجمل سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اب معاف کر دیجیے ان بے چاری کو۔ یہ اجنبی ہیں اور آپ چائے کا اہتمام فرمائیے۔“

شہناز نے ایک دم مسعود کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”مسعود صاحب معاف کیجیے گا میں آپ کو مبارکباد دینا ہی بھول گئی امتحان میں کامیابی کی۔“

مسعود نے بڑی متانت سے کہا۔ ”شکریہ آپ کا۔ مگر اب تو یہ قصہ ہی پرانا ہو چکا۔“

شہناز نے کہا۔ ”مگر میں تو نتیجہ نکلنے کے بعد آپ سے آج ہی ملی ہوں اور آج بھی مجھ کو سخت حیرت ہے کہ امتحان میں کامیاب ہوتے ہی آپ کی اخلاقی قدروں میں یہ کیا انقلاب پیدا ہو گیا کہ آپ نے یاد فرمایا۔ ورنہ آپ کسی کو بلائیں چائے پر مجھے تو ریاض صاحب کی اس بات کا یقین ہی بمشکل آسکا کہ آپ نے واقعی مجھے چائے پر طلب فرمایا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”بھئی یہ قصور میرا ہے کہ میں نے آج تک تم کو نہیں بلایا تھا ورنہ مسعود تو اکثر تمہارا ذکر کرتے رہتے تھے۔“

شہناز نے حیرت سے کہا۔ ”تعجب ہے کہ یہ حضرت میرا ذکر کرتے تھے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ کیوں کر کس سلسلے میں ہوتا تھا۔“

بیگم صاحبہ نے بڑی غماز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کوئی خاص بات تھوڑی ہوتی تھی۔ تمہاری ذہانت، تمہاری خوش مذاقی تمہارے سلیقے کے اکثر حوالے دیئے جاتے ہیں۔“

شہناز نے غور سے مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ اور میری تعریف؟ یہ تو میں عجیب سی بات سُن رہی ہوں۔ ورنہ میں تو ہمیشہ ان کے طنز کا نشانہ بنی رہی۔ مجھے دیکھ کر تو ان کو ایسے ایسے فقرے سوجھتے تھے کہ میرا خودکشی کو جی چاہنے لگتا تھا۔“

ریاض نے کہا۔ ”تم بھی کمال کرتی ہو شہناز۔ کالج کی آب و ہوا ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ یہ خدانخواستہ تمہارے لیے وہی رائے رکھتے تھے جو ان کی فقرہ بازیوں سے ظاہر ہوتی تھی۔“

اور یہ کہہ کر مسعود کو جو اشارہ کیا تو اس نے بھی بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”دراصل آپ کو زحمت دینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اگر آپ میری بے ہودگیوں کا کوئی خاص اثر لیے ہوئے ہیں تو وہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔“

شہناز نے بے ساختگی سے کہا

”ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا“

اور پھر ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ ”شکر ہے وہ صاحب موجود نہیں ہیں ورنہ اس مصرعہ پر بھی پہلا مصرعہ ضرور پڑھتے۔“

مگر اُن کو یاد ہی کیا تھا کہ وہ خانساماں اور بیرے کے ساتھ آموجود ہوئے اور چائے کا سامان اپنے اہتمام میں چنوانے لگے۔ مگر ان کو دیکھ کر لڑکیاں جو ہنسیں تو وہ اپنا کام چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہوئے۔

"غالباً مجھ پر کوئی فقرہ چست ہو گیا.... بہر حال وہ بعد میں سنوں گا۔ فی الحال آپ سب چائے کی طرف توجہ فرمائیے ورنہ ان پکوڑوں کی داد حاصل نہ کرسکوں گا جو میری کاریگری کا نمونہ ہیں۔"

چنانچہ سب چائے نوشی میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ دلچسپ گفتگو بھی جاری رہی آخر شہناز کو پھر آنے کا وعدہ لے کر بیگم صاحبہ نے رخصت کیا۔

شہناز کے آنے کے بعد سے بیگم صاحبہ کو ایک اور موضوع مل گیا تھا۔ اور اب ہر وقت مسعود کا ناک میں دم تھا۔ بیگم صاحبہ اپنے تمام درباریوں کے ساتھ مسعود کو گھیر کر بیٹھ جاتیں اور شہناز کے سلسلے میں اس کو چھیڑتی رہتیں۔ چنانچہ اس وقت بھی مسعود ان کی پیشی میں تھا اور وہ اس بات پر مُصر تھیں کہ مسعود شہناز کو ٹھکرانے سے باز آجائے۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ آخر اس غریب میں برائی کیا ہے؟ بس یہی نا کہ اس کے پہننے اوڑھنے کا کوئی خاص سلیقہ نہیں ہے۔ مگر یہ اتنی بڑی خامی تو نہیں جو دور نہ ہو سکے۔"

مسعود نے کہا۔ "خامی دور ہو یا نہ ہو آخر ہم سے کیا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "بھلا غضب ہی تو کرتے ہو مسعود میاں۔ وہ لڑکی ذات ہو کر بھری محفل میں اس حد تک کہہ گئی کہ ؏

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اور تم اس کا مطلب بھی نہ سمجھے۔"

مسعود نے کہا۔ "کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ مجھے مطلب سمجھنے کی ضرورت کیا تھی آخر۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "ضرورت ہو یا نہ ہو مگر اتنا میں بتائے دیتی ہوں کہ ایسی چاہنے والی بیوی تم کو قیامت تک نہ مل سکے گی۔"

مسعود نے چہرے پر وحشت برساتے ہوئے کہا۔ ''لاحول ولاقوۃ۔ آپ تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔''

بیگم صاحبہ نے نازلی سے کہا۔ ''اچھا بھئی نازلی میری سی نہ کہنا۔ تم ہی بتاؤ کہ تم نے کیا اندازہ کیا ہے۔''

نازلی نے جل کر کہا۔ ''میں نے کیا ہر ایک نے یہ اندازہ کیا ہوگا کہ وہ صاحبزادی قابو سے باہر تھیں۔''

بیگم صاحبہ کہا۔ ''یہ بات نہیں ہے دل سے مجبور تھی غریب مگر یہ طے ہے کہ اس کی زندگی سنور اور سدھر سکتی ہے تو صرف مسعود میاں کے ہاتھوں۔''

مسعود نے کہا۔ ''میری زندگی گویا ایسی فالتو ہے کہ ان کو سنوارنے اور سدھارنے ہی میں عذاب بن کر رہ جائے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کیا وہ بدصورت ہے۔ میرے خیال میں تو خاصی شکل صورت کی لڑکی ہے۔ لکھی پڑھی ہے۔ ذہین ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے وہ اپنی توجہ کا مرکز تم کو بنا چکی ہے۔''

مسعود نے کہا۔ ''میں پوچھتا ہوں آپ کے پاس اور کوئی موضوع گفتگو نہیں ہے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''بھئی سچی بات یہ ہے کہ میں کسی کی محبت کو ٹھکرانے والے کو واقعی ظالم سمجھتی ہوں۔ اچھا میں بتاؤں تم سب سے زیادہ سنجیدہ رائے سعدیہ کی سمجھتے ہو ان سے پوچھ دیکھو۔ کیوں بھئی سعدیہ بی بی تمہارا کیا خیال ہے۔''

سعدیہ نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں اس سوال کا کیا جواب دوں۔''

مسعود نے کہا۔ ''وہ چاہتی ہیں کہ آپ بھی یہ کہہ دیں کہ مجھ کو چاہیے کہ میں یہ زندگی بھر کا عذاب خرید لوں''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''نہیں میں واقعی یہ پوچھ رہی ہوں کہ کیا تمہارا یہ خیال نہیں ہے کہ شہناز کی واحد تمنا مسعود ہیں۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''میرا خیال اس سے مختلف ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اُس بے چاری کی ہمیشہ مسعود صاحب نے بری گت بنائی ہے اور اس کے پندار کو ہمیشہ مجروح کیا ہے۔ لہٰذا وہ ان کو اعترافِ شکست کے بعد اپنی پناہ میں دیکھ کر اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین دینا چاہتی ہے۔'' مسعود نے ایک دم چونک کر کہا۔ ''بخدا بالکل صحیح مطالعہ ہے۔ اتنا مکمل نفسیاتی تجزیہ کیا ہے سعدیہ نے کہ مجھے حیرت انگیز خوشی ہوئی ہے ان کی اس سمجھ داری پر۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''خیر یہ تو علمی باتیں چھڑ گئیں۔ مگر میں اس کی قائل نہیں ہوں اُس کی جو نگاہیں ان کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ان کی معذرت کے بعد اُس کے چہرے پر جو رنگ آیا تھا وہ کچھ اور ہی تھا۔''

مسعود نے کہا۔ ''تعجب ہے کہ اتنے گہرے میک اپ کے باوجود آپ نے چہرے کا رنگ بھی تاڑ لیا۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''بھئی تم کچھ بھی کہو۔ مگر اس کی اس توجہ کے بعد تمہاری یہ بے رخی ہے سراسر ظلم۔''

اجمل بیچارے آخر کب تک چُپ رہتے آخر ان کو بولنا ہی پڑا۔ ''وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ ع

لائے اس بت کو التجا کر کے

مسعود نے کہا۔ ''بڑی دیر سے اس مصرعے کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اجمل میاں ایک بات بتاؤں میں آپ کو۔ وہ آپ کی طرف بھی کافی متوجہ ہو گئی ہے۔''

اجمل نے کہا۔ ''میری طرف؟ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔''

سعدیہ نے بڑے طنز سے کہا۔ ''اگر غالب اتفاق سے زندہ ہو جائیں تو وہ آپ سے ملنے ضرور آئیں گے اجمل بھائی۔ اپنا سب سے بڑا محسن آپ کو سمجھ کر۔''

بیگم صاحبہ نے برجستہ کہا۔ ''اور اگر زندگی کے بعد ان کو بادشاہت مل جائے تو سب سے پہلے پھانسی پر بھی ان ہی کو چڑھائیں گے کہ یہی ہے میرے اشعار کی مٹی پلید کرنے والا۔''

یہ فقرہ ایسا تھا کہ سعدیہ ایسی سنجیدہ لڑکی کو بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ وہ بہت ہی کم اس طرح غیر محتاط طریقہ پر ہنستی ہے۔ جب دیر تک بیگم صاحبہ کے اس فقرے پر سب ہنستے رہے تو اجمل نے کہا۔

''مگر ذرا دیکھئے تو سہی کہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ وہ میری طرف متوجہ ہو کر گئی ہے۔ مجھ میں بھلا ایسی کونسی کشش ہے کہ کوئی میری طرف متوجہ ہو سکے۔''

مسعود نے گویا بہت بُرا مان کر کہا۔ ''سخت غصہ آتا ہے اجمل بھائی آپ کے اس انکسار پر سوال یہ ہے کہ آپ میں آخر کمی کیا ہے کہ آپ کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں لڑکی ہوتا تو سوائے آپ کے کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔''

اجمل نے کہا۔ خیر، آپ کی اس توجہ کا شکریہ۔''

سعدیہ نے بات کاٹ کر کہا۔ ''اس نہیں بلکہ اُس توجہ کا شکریہ جو بحیثیت لڑکی ہونے کے آپ فرماتے۔''

اجمل نے کہا۔ ''جی ہاں۔ جی ہاں یہی مطلب تھا میرا۔ گو اتفاق سے میں اپنی حیثیت کو سمجھتا ہوں من آنم کہ من دانم۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''چلئے چھٹی ہوئی۔ اب یہ فارسی میں بھی دھمکانے لگے۔ مگر اجمل میاں تم سے یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ تم میں کوئی کشش ہی نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ لڑکیاں تم سے اس ڈر کے مارے محبت نہ کرتی ہوں گی کہ تم شعر سنا سنا کر مار ڈالو گے اپنی محبوبہ کو۔''

مسعود نے کہا۔ ''بہرحال کچھ بھی ہو۔ مگر اجمل بھائی آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ سے کبھی مذاق نہیں کیا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس سلسلے میں آپ سے میں خدانخواستہ مذاق کرنے کی جرأت کروں۔ میری سنجیدگی کے ساتھ یہی رائے ہے کہ وہ آپ سے بہت متاثر ہو کر گئی ہے۔ آپ جب اُسے کار تک چھوڑنے کو گئے ہیں تو آپ کو یاد ہے اُس نے آپ سے کیا کہا تھا۔''

اجمل نے کہا۔ ''اس نے کہا تھا پھر ملیں گے۔''

مسعود نے بڑی متانت سے کہا۔ ''افسوس تو یہ ہے کہ آپ کو سوالیہ نشان لگانا بھی نہیں آتا۔ حضرت اس نے کہا تھا۔ پھر ملیں گے؟ اور چونکہ وہ اندازہ کر چکی تھی کہ آپ کو شعر و شاعری سے گہری دلچسپی ہے۔ لہٰذا آپ اس فقرے سے پورا مصرعہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔''

اجمل نے تعجب سے کہا۔ ''پورا مصرعہ وہ کون سا بھلا۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔''

مسعود نے کہا۔ ''اب حد ہو گئی اجمل بھائی۔ اتنی معمولی سی بات تو یہ لڑکیاں تک سمجھ لیتی ہیں اور آپ خواہ مخواہ بھولے بن رہے ہیں۔''

اجمل نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال میں نہیں مانتا کہ وہ میری طرف متوجہ ہو سکتی ہیں۔''

مسعود نے کہا۔ ''نہ مانئے آپ مگر آخر کب تک۔ سات سلام کروں گا جب

آپ خود مان جائیں گے۔"

بیگم صاحبہ نے خاصدان سے ایک تازہ گلوری نکال کر نوش فرماتے ہوئے کہا۔ "مگر مسعود میاں ہو بڑے چالاک۔ بات کا رُخ اس خوبصورتی سے اجمل کی طرف پھیرا ہے کہ داد دیتی ہوں میں۔"

مسعود نے کہا۔ "جی نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ میں نے ان محترمہ کے اصل مرکزِ نظر کی طرف اس بحث کا رُخ کر دیا ہے۔"

اجمل بے چارے واقعی فیصلہ نہ کر سکے کہ اس گفتگو میں کس حد تک سنجیدگی ہے اور کس حد تک مذاق۔

ایسے اتفاق بہت ہی کم ہوتے ہیں کہ اس گھر میں کسی کو یک سوئی حاصل ہو سکے۔ بات یہ ہے کہ گھر کی مالکہ یعنی بیگم صاحبہ خود بڑی ہنگامہ پسند واقع ہوئی ہیں۔ لہٰذا ایک طوفان سا ہر وقت آیا رہتا ہے۔ سوائے ان چند اوقات کے جب بیگم صاحبہ آرام فرما رہی ہوں یا کہیں تشریف لے گئی ہوں۔ مگر آج گھر میں خلاف معمول سناٹا تھا۔ اس لیے کہ بیگم صاحبہ کی طبیعت ذرا ناساز تھی اور خود ان کا جی چاہتا تھا کہ ذرا سکون کے ساتھ آرام کریں۔ لہٰذا ہر طرف خاموشی طاری تھی اور ہر ایک، دوسرے کو لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتا پھرتا تھا۔ سعدیہ اپنے کمرے میں سے نکلی تو اس ارادے سے تھی کہ بیگم صاحبہ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہو گی۔ مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ذرا آنکھ لگ گئی ہے تو وہ ٹہلتی ہوئی باغیچے کی طرف نکل گئی اور بغیر کسی ارادے کے فوّارے کے پاس جا کر تالاب کے پانی سے یوں ہی کھیلنے لگی۔ اس قسم کے توارد بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ اسی ارادے سے مسعود بھی بیگم صاحبہ کے کمرے تک گئے اور وہاں یہی سن کر وہ بھی باغیچے کی طرف آ گئے جہاں سعدیہ پہلے سے موجود تھی۔ مسعود نے وہاں پہنچتے ہی معذرت چاہی۔

"معاف کرنا سعدیہ میں تمہاری اس تنہائی میں خواہ مخواہ مخل ہو گیا۔ غالباً تم یہاں تنہائی کی تلاش میں آئی ہو گی۔" سعدیہ نے بدستور پانی سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "میں تو خیر یوں ہی آ گئی تھی۔ مگر آپ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ واقعی

تنہائی کی تلاش میں تھے اور یہاں میں مل گئی آپ کو۔"

مسعود نے کہا۔" نہ ہوئے اس وقت ہمارے اجمل بھائی وہ اس موقعے پر اسی قسم کا کوئی شعر پڑھتے کہ ؎

یہ تخیل کے مناظر کس قدر پُرکیف ہیں
وہ ہیں میں ہوں اور بس ساری فضا خاموش ہے

سعدیہ نے مسکرا کر کہا۔"خیران کا نام لے کر آپ نے تو پڑھ دیا شعر۔ اب میں حیران ہوں کہ یہ شعران ہی کی طرف سے سمجھوں یا......"

مسعود نے جلدی سے گھبرا کر کہا۔" لاحول ولاقوۃ۔ خدا نہ کرے کہ میں اس ابتذال پر اتر آؤں۔ اس قسم کی باتیں اگر محسوس بھی کی جائیں تو زبان سے کہہ کر ارزاں نہیں بنائی جاتیں۔"

سعدیہ نے پانی سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "مگر محسوس ضرور کی جاتی ہیں۔"

مسعود نے ڈرتے ڈرتے کہا۔"اگر تم کو یہ بھی ناگوار ہے تو میں کوشش کروں گا کہ اپنے احساس پر بھی پہرا بٹھا دوں۔"

سعدیہ نے رُک رُک کر کہا۔"یہی بات ناگوار بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ آپ کی طرف سے نہ ہو۔"

مسعود کی حوصلہ افزائی کے لیے سعدیہ کا یہی بلیغ اشارہ کافی تھا۔ مگر وہ مسعود تھا اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اس وقت اپنا توازن درست نہ رکھ سکتا۔ مگر مسعود جانتا تھا کہ اس کی ذرا سی بے احتیاطی اس کو اسی وقت سعدیہ کی نظروں سے گرادے گی۔ ہر چند کہ یہی کیفیت جو آج ان مبہم الفاظ کی شکل اختیار کر گئی تھی خدا جانے کب سے نگاہوں کی خاموشی میں موجود تھی۔ مسعود اور سعدیہ دونوں اپنی جگہ اس کیفیت کو اپنے اوپر طاری کیے ہوئے تھے اور نہ جانے وہ کب سے ایک دوسرے کی طرف کھنچ رہے تھے۔ مگر آج یہ پہلا موقع تھا کہ یہ احساس الفاظ کی صورت اختیار کر گیا اور یہی وہ وقت تھا کہ مسعود اپنے کو سنبھالے۔ اس نے شدتِ جذبات کا غلبہ دیکھ کر پہلے تو خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ مگر جب یہ خاموشی بھی طرح طرح کے معنی پیدا کرتی نظر آئی تو اس نے بمشکل تمام صرف یہ کہا۔

"میں تمہارا یہی اعتماد چاہتا تھا۔ اس اعتماد کے داموں مجھ کو خرید لینے کے بعد تم مجھ کو اپنے اس اعتماد کا اہل پاؤ گی"

سعدیہ نے مسعود کی طرف دیکھے بغیر کہنے کی کوشش میں اس کو دیکھ کر کہا۔

"اس کا اہل میں آپ کو پہلے سمجھتی ہوں۔ مگر ڈرتی صرف یہ ہوں کہ یہ ماحول بڑا ناسازگار ہے۔"

مسعود نے کہا۔"اس کا مجھے علم ہے۔ خصوصاً اجمل ......"

سعدیہ نے بڑی تحقیر سے کہا۔" خیر اجمل کی تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور نہ اس بچارے کو کبھی کوئی اہمیت حاصل ہوسکتی ہے وہ تو ایک غیر مضرت رساں دو پایہ ہے۔ مگر نازلی......"

مسعود نے حیرت سے کہا۔"نازلی؟ نازلی سے کیا مطلب ہے۔"

سعدیہ نے کہا۔"صرف اسی سے مطلب ہے اور اگر آپ اب تک اس کی نگاہوں کا مفہوم نہیں سمجھے تو حیرت ہے۔"

مسعود نے کہا۔"میں اس کی نگاہوں کا مفہوم تو اس وقت سمجھتا اگر میں نے کبھی یہ شبہ بھی کیا ہوتا کہ ان بے ہودہ نگاہوں میں میرے لیے کوئی مفہوم ہوسکتا ہے۔ میں تو اس کو اس زندہ عجائب خانے کے بھانت بھانت کے جانوروں میں سے ایک ناقابل توجہ جانور کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔"

سعدیہ نے ہنس کر کہا۔" جانور سہی مگر بڑا خطرناک جانور ہے اور اس کی نگاہوں کا مفہوم تو اس قدر واضح ہے کہ بیگم صاحبہ تک جانتی ہیں۔ اس کو آپ کا نام

لے کر چھینک آجاتی ہے وہ اس چھینک پر اپنی صحت میں اضافہ کرتی ہے اور اپنے نزدیک وہ آپ پر پورے حقوق رکھتی ہے۔"

مسعود ہنس کر کہا۔ "سبحان اللہ مان نہ مان میں ترا مہمان۔ یہ تو بڑی دلچسپ بات سنائی تم نے۔ اب میں بھی ذرا ان کی نگاہوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

غالباً اس سلسلے میں سعدیہ ابھی کچھ اور کہنے والی تھی کہ اجمل کو اسی طرف آتا ہوا دیکھ کر ٹل گئی اور مسعود اس وقت اسی تاثر میں ڈوبا کھڑا رہا۔ جب تک اجمل کے بے معنی قہقہے نے اس کو چونکا نہیں دیا۔ اجمل نے آتے ہی قہقہہ بلند کر کے کہا۔

"تو جہاں جا کے چھپا ہم نے وہیں دیکھ لیا

آخر ڈھونڈ ہی نکالا آپ کو۔ بڑی دیر سے تلاش کر رہا تھا آپ کو۔"

مسعود نے کہا۔ "کیوں خیریت تو ہے۔"

اجمل نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "کچھ نہیں یوں ہی ڈھونڈھ رہا تھا آپ کو کہ ذرا آپ ہی سے چل کر باتیں کریں۔"

مسعود نے کہا۔ "بڑی فرصت میں معلوم ہوتے ہیں آپ اس وقت۔"

اجمل نے بڑی یگانگت سے کہا۔ "بخدا اکثر جی چاہتا ہے آپ کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کو مگر فرصت ہی نہیں ملتی۔ حالانکہ آپ ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔"

مسعود اس تمہید ہی سے پورے قصے کو سمجھ کر بولا۔ "کون میں؟ یعنی میں اڑاتا ہوں آپ کا مذاق۔ اجمل بھائی غالباً صرف میں ہوں جس کے ذہن میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ کی شان میں یہ گستاخی کرے۔"

اجمل نے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے اور میں نے ہمیشہ یہی سمجھا۔ مگر اس دن وہ شہناز والا قصہ آپ کیا لے بیٹھے تھے۔"

مسعود نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اجمل بھائی آپ ہی کے سرِ عزیز کی قسم میں نے مذاق نہیں کیا ہے اور میری نگاہوں نے اگر مجھے دھوکہ نہیں دیا ہے تو میری قطعی رائے یہ ہے کہ شہناز آپ سے بے حد متاثر ہے۔ دیکھئے بات یہ ہے کہ اس کی توجہ تھی دراصل میری طرف، مگر آپ کو معلوم ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی کبھی پیدا نہ ہو سکی اور اس کو اس بات کا علم ہے۔ اب اس نے جو آپ کو دیکھا اور آپ کی دلچسپ باتیں سنیں تو اس نے آپ کو میرا نعم البدل سمجھ لیا۔"

اجمل نے بارونق چہرے کے ساتھ کہا۔ "اگر یہ واقعہ ہے تو کمال ہے۔ اتنا تو میں نے اندازہ کیا تھا کہ ان کو بھی میری طرح کچھ شعر و شاعری سے لگاؤ ضرور ہے۔"

مسعود نے کہا۔ "اس نے یہی تو کہا تھا کہ کس قدر پاکیزہ ذوقِ شعری ہے۔"

اجمل نے اپنی مسرت ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "خوب۔ مگر سوال یہ ہے مسعود بھائی کہ ع

"آئینہ دیکھ اپنا سا مونہہ لے کے رہ گئے"

مسعود نے تعجب سے پوچھا "کون؟"

اجمل نے سادگی سے جواب دیا "اجی ہم خود اور کون۔ بات یہ ہے کہ نہ اپنی تعلیم۔ نہ اپنے پاس دولت۔"

مسعود نے کہا۔ "تو کیا ہوا۔ یہ دونوں چیزیں اس کے پاس جو موجود ہیں میاں بیوی میں کہیں کوئی غیریت ہوتی ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ آپ بس چپ رہیے۔ فی الحال اسی کو بڑھنے دیجئے اپنی طرف، ورنہ آپ سستے ہو جائیں گے۔"

"اجمل نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ "مجھ سے تو جو کچھ آپ کہیں گے وہی کروں گا۔"

اسی وقت خدا بخش نے اجمل میاں کو آواز دی کہ بیگم صاحبہ یاد کرتی ہیں۔ لہٰذا وہ دوڑے اس آواز پر۔

مسعود کو کچھ دن سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے کمرے کو آراستہ کرنے کوئی آتا ضرور ہے۔ اس لیے کہ جب وہ اپنی بے ترتیب چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے تو واپسی میں اس کو وہی چیزیں نہایت باقاعدگی سے رکھی ہوئی ملتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ اس کو اپنے کپڑوں پر استری تک ہوئی ملتی ہے۔ کیا مجال کہ کسی قمیص میں کوئی ٹوٹا ہوا بٹن اس کو کبھی ملے۔ بستر کی چادر اور تکیوں کے غلاف اس کو ایسے ایسے نظر آنے لگے جو اس کے تھے ہی نہیں۔ البتہ ہر ہفتے دُھلے ہوئے کپڑے اس کی الماری میں سلیقے سے رکھے ہوئے ضرور ملتے تھے۔ پھٹے ہوئے موزے تک جب دھل کر آتے تو اس کو مرمت شدہ ملتے۔ روز گلدانوں میں تازہ پھول نظر آتے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کون کر رہا ہے اور چاہتا تھا کہ کسی دن سعدیہ اس کو تنہائی میں ملے تو اس کا شکریہ ادا کر دے کہ ایک دن وہ خلاف معمول جلد لوٹ کر جو آیا تو اس نے اپنا چور پکڑ لیا اور وہ بھی اس طرح کہ سعدیہ کی دروازے کی طرف پشت تھی اور وہ اس کے کپڑے سنبھال کر الماری میں رکھ رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ اور ایک دم قریب جا کر اس نے کہا۔ “تشکر”

اور پھر خود ہی گھبرا کر کہا۔ “کون...... تم؟”

اس لیے کہ اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھنے والی سعدیہ نہیں بلکہ نازلی تھی۔ نازلی نے اس کے اس تعجب کو سمجھے بغیر کہا۔

“میں نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے۔”

مسعود نے کہا۔ “ہو تو کوئی بھی نہیں سکتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم بھی کیوں؟”

نازلی نے اپنے نزدیک بڑے غمزے سے کہا۔ “یہ خود مجھ کو نہیں معلوم مگر اتنا جانتی ہوں کہ میرے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔”

مسعود نے بڑی رکھائی سے کہا۔ “مگر میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آئندہ آپ یہ زحمت نہ فرمائیں۔”

نازلی نے کہا۔ “خیر یہ تکلف تو آپ رہنے دیجیے نہ میں اس کو زحمت سمجھتی ہوں نہ یہ میرا احسان ہے۔”

مسعود نے کہا۔ “بہرحال میں آپ سے سنجیدگی کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ آئندہ آپ یہ زحمت نہ فرمائیں اور مجھ کو پھر اس قسم کی باتیں کرنے کی شرمندگی میں مبتلا نہ کریں۔”

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور نازلی کچھ نہ سمجھ سکی کہ مسعود کا مقصد کیا ہے۔ مسعود چاہتا تھا کہ وہ اس خلاف توقع کوفت کو ٹالنے کے لیے باہر نکل جائے کہ بیگم صاحبہ نے دور ہی سے اس کو دیکھ کر آواز دی اور اس کو مجبوراً ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔ مگر یہاں دوسری مصیبت موجود تھی۔ شہناز ان کے پاس بیٹھی تھی اور مسعود کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ آج اس کے میک اپ میں خلاف معمول سلیقہ نظر آ رہا تھا۔ لباس بھی قرینے کا تھا اور لباس کے مختلف رنگوں کا امتزاج وہ نہ تھا جو شہناز کی خصوصیت رہا ہے۔ مسعود نے جاتے ہی کہا۔ “ہلو شہناز! مجھے کیا خبر تھی کہ تم موجود ہو۔”

بیگم صاحبہ نے کہا۔ “اب ذرا ان کو غور سے دیکھ کر بتاؤ کہ کوئی تبدیلی نظر آتی ہے۔”

مسعود نے کہا۔ ’’نظر آنے کی بات ہی نہیں ہے پہلے ان کا میک اپ غل مچایا کرتا تھا۔ لباس کے رنگ کھانے کو دوڑا کرتے تھے آج ان میں سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔ نہایت خوش مذاقی اور تمیزداری نظر آرہی ہے میک اپ میں بھی اور لباس میں بھی۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’میں نے خالہ جان کی شاگردی شروع کر دی ہے اور آج خالہ جان نے سعدیہ سے میرا میک اپ کرایا ہے۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’اچھا اب خود تم آئینہ دیکھ کر اندازہ کرو کہ کتنا صحت مند انقلاب تم میں پیدا ہوا ہے۔‘‘

اجمل صاحب جو ایک طرف دم بخود بیٹھے تھے بول اٹھے ’’ابھی آئینے کے سامنے سے ہٹ کر آئی ہیں ورنہ یہ عالم تھا کہ ع

’’آئینہ سامنے ہے چوٹیں ہیں دو بدو کی‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’میں سب کی اصلاح کر سکتی ہوں سوائے اجمل میاں کے ان سے بغیر مصرعے جڑے اور شعر گڑھے بات ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ دیکھ لینا یہ کسی نہ کسی دن بُری طرح پٹیں گے کہیں نہ کہیں غلط شعر پڑھنے پر۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’خیر یہ آپ سب باتیں اس لیے کہتے ہیں کہ یہ برجستگی کسی اور کے امکان میں ہے جو نہیں۔ تعصب کی بو آتی ہے اس اعتراض میں۔ ورنہ ہمارے اجمل ایمان کی بات ہے کہ بڑی بجی ہوئی بات کہتے ہیں اور نگینہ کی طرح جڑتے ہیں مصرعہ یا شعر۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’واقعی اگر یہ خصوصیت بھی ختم ہو جائے تو ان کی بات کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’اجمل بھائی ع

’’لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے‘‘

اجمل نے شعر پورا کیا۔

’’یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

مگر اس شعر کا یہاں کوئی موقع تو تھا نہیں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’تو کیا آپ کے نزدیک شعر بھی کوئی موقع پر پڑھنے کی چیز ہے۔‘‘

اجمل نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ’’خیر شعر تو ہر موقع پر شعر ہوتا ہے۔ مگر موقع پر چسپاں ہو جائے تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔‘‘

مسعود نے اجمل سے بڑا خطرناک سوال کیا۔ ’’اچھا اجمل بھائی آپ یہی انصاف سے بتائیے کہ شہناز اب کیسی معلوم ہوتی ہے؟‘‘

اجمل نے کہا۔ ’’یہ آپ نے عجیب سوال کیا ہے دیکھنے والی نظریں میک اپ نہیں دیکھتیں..‘‘

مسعود نے جملہ پورا کیا۔ ’’بلکہ میک اپ میں کیا ہے یہ دیکھتی ہیں۔ سبحان اللہ کیا حقیقت افروز نکتہ ارشاد فرمایا ہے آپ نے اور شہناز صاحبہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے جامع خراج عقیدت آپ نے کبھی وصول نہ کیا ہوگا۔ میں ہوتا آپ کی جگہ تو جھک کر سلام کرتا۔‘‘

شہناز نے بڑی بے ساختگی کے ساتھ کہا۔ ’’آپ ایک سلام کو کہہ رہے ہیں۔ میں سات سلام کرتی ہوں۔‘‘

بیگم صاحبہ پھڑک اٹھیں۔ ’’جیتی رہو کتنی برجستہ بات کہی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے اجمل میاں سمجھ نہیں سکتے ورنہ بڑی بھرپور بات کہی ہے تم نے۔‘‘

مسعود نے غور سے اجمل کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے کچھ گم سم سے

تھے اور ان سے کہا۔ ''اجمل بھائی آپ چپ ہیں۔ حالانکہ یہ شعر چپکانے کا بڑا اچھا موقع تھا۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''آپ خواہ مخواہ مخل ہو رہے ہیں وہ شعر ہی تو یاد کر رہے ہیں۔''

اجمل نے گھبرا کر کہا۔ ''جی نہیں میں اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔'' بیگم صاحبہ سر ہو گئیں۔ مثلاً کیا سوچ رہے تھے آپ۔''

اجمل سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا ''جی وہ کچھ پرائیوٹ بات تھی''

بیگم صاحبہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ''اچھا تو اب اللہ رکھے آپ پرائیوٹ باتیں بھی سوچنے لگے ہیں۔ غالباً جوان ہو چکے ہیں۔ مسعود میاں ان کا کچھ انتظام کرو۔ یہ تو پرائیوٹ باتیں سوچنے لگے ہیں۔ گئے یہ ہاتھ سے۔''

اس قسم کے موقعوں پر بے چارے اجمل پر ترس بھی آتا تھا کہ سب ہی مل کر اس پر ہنسنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ تو کہیے کہ یہ بیچارہ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ سب کچھ سنتا تھا اور چپ رہتا تھا۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو دیوانہ ہو کر رہ جاتا۔ مگر یہ غریب اپنے اس تمسخر میں بھی سب کا شریک ہو کر خود بھی احمقانہ ہنسی ہنسنا شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی جب وہ کافی دیر کھسیانی اور کھوکھلی ہنسی ہنس چکے تو سعدیہ نے آخر ٹوکا۔

''اجمل بھائی خدا کے لیے کبھی تو کسی بات پر بُرا مان جایا کیجئے۔''

اجمل نے اپنے چہرے پر اپنی تمام حماقت یکجا کر کے کہا۔ ''نہیں اس وقت آپ لوگوں کی ہنسی بالکل حق بجانب ہے میں واقعی سوچ ہی رہا تھا ایسی بات کہ اگر وہ بات پرائیوٹ کہہ کر ٹال نہ جاؤں اور سب کو بتا دوں تو اور بھی میرا مذاق اُڑے۔''

اب تو سب مل کر اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ کو وہ بات بتانا پڑے گی۔ خصوصاً شہناز نے بڑے تحکمانہ انداز سے کہا ''اب آپ بتا بھی چکیں گے یا نہیں۔''

اجمل نے پہلے اپنی حماقت سے خود ہی لطف لیا اور دیر تک ہنستے رہے۔ اس کے بعد کہنے لگے۔ ''میں عجیب بے ہودہ بات سوچ رہا تھا کہ اگر شہناز صاحبہ میرا مطلب ہے کوئی لڑکی میک اپ کر کے آئینہ دیکھے اور آئینے میں نظر آجائے میری صورت تو کیا عالم ہو۔''

اب جو ہنسی کا طوفان آیا ہے تو لڑکیاں لوٹ لوٹ گئیں۔ بیگم صاحبہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں اور دیر تک کوئی اس قابل نہ رہا کہ کچھ کہہ سکے۔

scanned by iqbalmt@oneurdu.com

مسعود بے چارہ عجیب تثلیث میں مبتلا تھا۔ سعدیہ کے لیے پہلے ہی سے اس کے دل میں ایک قیامت برپا تھی۔ نازلی اپنی جگہ اس پر مالکانہ حقوق جمائے بیٹھی تھیں اور شہناز کو بیگم صاحبہ کی زبردست شہ حاصل تھی اور اگر سچ پوچھیے تو سب سے خطرناک یہی شہناز والا حملہ تھا۔ جس میں بیگم صاحبہ نہایت نمایاں حصہ لے رہی تھیں۔ مسعود کو یہ تو نہیں معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ نے شہناز سے اس سلسلے میں کوئی وعدہ بھی کیا ہے یا نہیں۔ البتہ وہ یہ جانتا تھا کہ خود شہناز میں سلیقہ ہرگز نہ تھا جو اس سلسلے میں آج کل وہ ظاہر کر رہی تھی اور اس بات کو صرف وہی محسوس نہ کرتا تھا بلکہ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو چکی تھی کہ بیگم صاحبہ شہناز پر داؤں لگائے ہوئے ہیں کہ وہی مسعود کو جیتے گی۔ یہ بات سعدیہ کو بھی معلوم تھی مگر وہ مسعود کو اچھی طرح جانتی تھی اور مسعود کو جاننے سے زیادہ اس میں خود اعتمادی اس بلا کی تھی کہ اپنے آگے کبھی بیگم صاحبہ کی ان مساعیٔ جمیلہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ البتہ نازلی انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ اس کے لیے مصیبت یہ تھی کہ ایک طرف تو بیگم صاحبہ شہناز کو اس سلسلے میں تھپکیاں دے رہی تھیں۔ دوسری طرف خود مسعود کا یہ عالم تھا کہ جس دن سے اس نے نازلی کو اپنے کمرے میں دیکھا تھا وہ برابر کمرا مقفل کر کے جاتا تھا۔ تا کہ نازلی پھر کرم فرمائی شروع نہ کر دیں۔ وہ اپنی نسائی خودداری کے باوجود کئی مرتبہ یہ بھی ارادہ کر چکی تھی کہ مسعود سے ایک مرتبہ سب کچھ کہہ دے اور اس سے سب کچھ سن لے خواہ سننا وہی پڑے جو اس کو ہمیشہ کے لیے حرماں نصیب بنا دے۔ مگر اس کو یہ موقع بھی کبھی نہ مل سکا اور اب تو موقع ملنے کا اس لیے بھی سوال نہ تھا کہ بیگم صاحبہ ہر وقت شہناز کو اس کے سر پر تعینات رکھتی تھیں اور جان جان کر موقع پیدا کرتی تھیں کہ مسعود اور شہناز کا پہلے سے زیادہ ساتھ ہو۔ مثلاً سنیما گئی ہیں تو مسعود کو زبردستی شہناز کے برابر بٹھا رہی ہیں۔ پکنک پر گئی ہیں تو مسعود اور شہناز کو دانستہ تنہا چھوڑ کر سب کو لے کر کسی اور طرف چلی گئی ہیں اور ان کو بہت برا لگتا تھا اگر مسعود ان یکجائیوں اور ان تنہائیوں کا خیر مقدم نہ کرے وہ اپنی خاص توجہ کے ساتھ شہناز کو بنا سنوار کر رکھتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ مسعود کی تمام توجہ اسی کی طرف سمیٹ لیں۔

ان حالات میں نازلی محسوس کر رہی تھی کہ مسعود رفتہ رفتہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اور اسے کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مسعود کو اس سے چھینا جا رہا ہو۔ وہ ایک تو فطرتاً حاسد قسم کی لڑکی تھی۔ پیشانی پر ہمیشہ ہی تھوڑے بہت بل پڑے ہی رہتے تھے اس پر طرہ آج کل کے یہ حالات، نتیجہ یہ کہ وہ کچھ زندگی سے بیزار سی ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ نہیں کہ بیگم صاحبہ اس کی اس کیفیت کو محسوس نہ کرتی ہوں، وہ یقیناً جانتی تھی کہ آج کل نازلی کے سینے پر کیسے کیسے سانپ لوٹ رہے ہوں گے مگر وہ اس کیفیت سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں اس لیے کہ وہ صرف محبت کی شادکامی ہی سے لطف لینا نہیں چاہتی تھیں بلکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہتی تھیں۔ دوسرے نازلی کا قصور یہ بھی تھا کہ اس نے اس سلسلے میں بیگم صاحبہ کو اپنا ہمراز نہیں بنایا تھا۔ ان سے مشورہ کر کے یہ دل کا سودا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اگر وہ تاڑ بھی گئیں تھیں تو ان کو جھٹلا دیا تھا کہ مجھ کو کسی مسعود وسود سے کیا غرض۔ لہٰذا وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ نازلی اپنی خودسری کی سزا کو اگر پہنچ رہی ہے تو ضرور پہنچے۔ وہ اس کا کرب دیکھتی تھیں اور خوش ہوتی تھیں کہ اچھا ہے اور چھپائے ہم سے۔

آج اتفاق سے صورت یہ پیش آئی کہ باہر سے آئے ہوئے کچھ شعراء کو بیگم

صاحبہ نے مسعود کے ذریعے عشائیہ پر مدعو کیا تھا اور ان کا کلام سنوانے کے لیے اور بھی معززین شہر مدعو کیے گئے تھے۔ مختصر یہ کہ خاصی پر تکلف دعوت ہو گئی تھی۔ اجمل میاں تو خیر اپنی انتظامی قابلیت دکھاتے ہی پھر رہے تھے۔ مگر بیگم صاحبہ نے خاص طور پر مسعود سے بھی کہہ رکھا تھا کہ ذرا تم بھی انتظامات کی نگرانی کرتے رہنا ایسا نہ ہو کہ یہ حضرت کوئی گڑبڑ پیدا کر دیں اور سعدیہ سے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس نے خود کچھ کام سنبھال لیے تھے۔ مگر ان سب میں پاندان کی ماہر صرف نازلی سمجھی جاتی تھیں۔ لہٰذا وہ دو ماماؤں کو ساتھ لیے پاندان سنبھالے بیٹھی تھیں۔ باہر محفل گرم تھی۔

کھانے کے بعد مشاعرہ شروع ہو چکا تھا اور اہتمام یہ تھا کہ جب تک کافی کا دور چلے پانوں کا دور مسلسل چلتا رہے۔ اس لیے کہ اور محفلوں سے کہیں زیادہ مشاعرے کو رنگین رکھنے کے لیے پانوں کے اہتمام کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے۔ بیگم صاحبہ اپنے خصوصی مہمانوں کے ساتھ شریک محفل تھیں۔ شہناز بھی ان کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ سعدیہ نے جو پان تقسیم کر رہی تھی ایک دم مسعود کے پاس آ کر کہا پان کم ہو رہے ہیں اور مسعود پانوں کی کشتی لیے اندر دوڑا جہاں نازلی پان تیار کر رہی تھی۔ مسعود کے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ نازلی اس موقع سے فائدہ اٹھا جائے گی۔ اس نے پانوں کی تھالی ماماؤں کی طرف بڑھا کر کہا۔ ”مسعود صاحب میری صرف ایک بات سن لیجیے کہ آپ کو اپنے اعتماد میں لے کر یہ کاغذ دے رہی ہوں۔“

مسعود نے کاغذ کو لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیا ہے کوئی غزل وزل ہے مشاعرے کے لیے۔“

نازلی نے کہا۔ ”جی نہیں۔ یہ صرف آپ کے پڑھنے کی چیز ہے اور امید ہے کہ آپ ایک لڑکی کے اس اعتماد کا احترام کریں گے کہ اس نے آپ کو ایک ایسی تحریر دی ہے جسے وہ زبان سے ادا نہ کر سکتی تھی۔ اس کو پڑھنے کے بعد آپ احتیاط سے ضائع کر دیں۔“

مسعود نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ کاغذ کوٹ کر اندر کی جیب میں رکھ لیا اور پانوں کی تھالی لا کر سعدیہ کو دے دی۔ مگر اب اس کو ایک کھوج سی تھی کہ یہ کونسی تحریر ہے وہ اتنا تو جانتا تھا کہ نازلی اس سے وابستگی کے کئی اظہار کر چکی ہے۔ شروع میں بیگم صاحبہ نے مسعود تک یہ خبر ہنس ہنس کر پہنچائی تھی کہ نازلی بھی تمہارے نزلے میں مبتلا ہیں۔ مگر مسعود اس کو ہنس کر ٹال گیا تھا اور بیگم صاحبہ سمجھ گئی تھیں کہ نازلی کے لیے ان تلوں تیل نہیں ہے۔ اس کے بعد مسعود نے اس کو اپنے کمرے کی ترتیب اور صفائی میں منہمک پایا تھا۔ مگر جب یہاں بھی اس نے نازلی کی حوصلہ افزائی نہ کی تو اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اب نازلی مایوس ہو کر اس سے تمام امیدیں منقطع کر لے گی۔ اس کو یہ تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ ان استعاروں کے علاوہ کبھی براہِ راست بھی اس کو مخاطب کر لے گی۔ بہر حال وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کہ اس نے کوئی زبانی بات نہیں کی۔ مگر اس کے باوجود وہ حیران تھا کہ آخر نازلی نے کیا لکھا ہوگا۔ وہ کبھی شعراء کا کلام سننے میں محو ہو جاتا تھا اور کبھی اس خیال میں کھو جاتا تھا۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کوٹ کی جیب میں ایک بچھو موجود ہے۔ بہر حال اس وقت تو وہ مشاعرے ہی میں حاضر رہا۔ ہر چند کہ ذہنی طور پر غائب بھی ہو ہو جاتا تھا اور غالباً اس کو کسی ایسے ہی موقعے پر بیگم صاحبہ نے ایک مرتبہ ٹوک بھی دیا۔ ”مسعود میاں کیا نیند آ رہی ہے۔“

اور مسعود نے چونک کر کہا۔ ”جی نہیں تو شعر کے تاثر کو نیند کا غلبہ نہ سمجھیے۔“

بیگم صاحبہ نے اس کو قریب بلا کر کہا۔ ”بہتر ہے آپ یہاں تشریف رکھیں تاکہ شعر کا صحیح تاثر پیدا ہو۔“

اور یہ کہہ کر اس کو شہناز کے قریب بٹھا دیا۔ یہ وہ وقت تھا کی نازلی بھی پانوں کے اہتمام سے فارغ ہو کر محفل میں آ چکی تھی۔ اور اس منظر پر آتش زیر پا نظر آتی

تھی۔ مسعود نے اس کی کیفیت نگاہوں نگاہوں میں پڑھ کر دل ہی دل میں سعدیہ کی عالی ظرفی سے اس کا تقابل شروع کر دیا کہ اگر سچ پوچھئے تو یہ جذبۂ رقابت ہونا چاہیے سعدیہ کو، مگر اس کو تو جیسے پرواہ بھی نہ تھی۔ وہ کس قدر بھروسہ کرتی تھی مسعود پر اور کس قدر اعتماد تھا اس کو خود اپنے اوپر۔

یہ محفل رات گئے ختم ہوئی اور جب سب مہمان رخصت ہو گئے تو تھکن سے چور مسعود بھی اپنے کمرے میں آیا اور سونے کے لیے کمرہ بند کرنے کے بعد اس نے پہلا کام یہ کیا کہ وہ پرچہ نکال کر پڑھا جس پر صرف دو سطریں لکھی تھیں:

”جس رفتار سے میں آپ سے دور کی جا رہی ہوں اسی رفتار سے شہناز کو آپ کے قریب لایا جا رہا ہے کاش آپ مجھ سے صرف یہ کہہ دیں کہ یہ میرا وہم ہے۔“

ہر چند کہ مسعود کو نازلی سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا بلکہ اگر سچ پوچھئے تو وہ ایک حد تک گھبراتا تھا نازلی سے وہ یہ طے کیے ہوئے تھا کہ اس مہمل لڑکی نے نہ جانے اس پرچہ میں کیا لکھ دیا ہوگا اور جسے پڑھ کر نہ جانے مجھ کو کتنا غصہ آئے گا۔ مگر ان دو سطروں کو پڑھ کر وہ بھی نازلی کے اس سلیقۂ تحریر کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنی اس تحریر میں نازلی اپنی تمام بے بسی کے ساتھ اس کے سامنے آ گئی اور اس کو بجائے غصہ آنے کے اس پر رحم آنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اسی وقت نازلی کے پاس پہنچ جائے اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہے کہ ”مری اچھی بہن تو نے میرے دل میں بھائی کی محبت جگا دی ہے۔ میں تیری محبت کو ٹھکرا نہیں رہا ہوں۔ بلکہ اس کے جواب میں اپنے کو ایک چہیتا بھائی بنا کر پیش کر رہا ہوں۔“ اس کو یقین تھا کہ نازلی اپنی اس شکست پر بھی فاتحانہ افتخار محسوس کرے گی۔ مسعود کی نیند یہ دو سطریں اڑا چکی تھیں اور وہ اس گتھی کو نہ جانے کب تک پڑا پڑا سلجھاتا رہا۔

اس بھرے گھر میں مسعود صحیح معنوں میں اگر کسی پر اعتماد کر سکتا تھا تو وہ سعدیہ کے بعد خدا بخش کی ذات تھی۔ یہ بوڑھا ملازم ہر چند کہ اس ڈیوڑھی پر ایک ادنیٰ نوکر تھا۔ مسعود نے ہمیشہ اس کی عزت کی۔ اس لیے کہ مسعود کو معلوم تھا کہ خدا بخش ہی ایک ایسا آدمی ہے جس کی نگاہیں اس گھر کے ایک ایک فرد کو صحیح اوزان کے ساتھ تول چکی ہیں۔ اور وہ جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ وہ نواب نظام الدولہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھا اور اس کے دل کو یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح یہ ڈیوڑھی آباد رہے۔ بیگم صاحبہ کا جتنا بھی خواہ وہ تھا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ بوڑھا آدمی تھا۔ لہٰذا اس کو اس گھر کی بہت سی باتوں سے شدید اختلاف بھی تھا۔ مگر سوائے مسعود کے کبھی کسی سے کچھ نہ کہتا تھا اور اس کو آج سے زیادہ کل کی فکر تھی کہ یہ بے شمار دولت بیگم صاحبہ کے بعد آخر جاتی کدھر ہے۔ وہ اکثر اپنے اس خوف کا اظہار مسعود سے کیا کرتا تھا کہ بیگم صاحبہ ٹھہریں خوشامد پسند کہیں کوئی خوشامدی ثنوان کا وارث نہ بن بیٹھے۔ سب سے زیادہ اجمل سے جلتا تھا اور ہر چند کہ مسعود نے اس کو بارہا سمجھایا کہ بیگم صاحبہ خود جانتی ہیں کہ اجمل کس حد تک بے وقوف ہے مگر خدا بخش ہمیشہ یہی کہتا کہ یہی تو آپ سب کی بھول ہے کہ آپ اس کو بے وقوف سمجھتے ہیں وہ ہرگز بے وقوف نہیں ہے بلکہ بے وقوف بن بن کر اپنا الو سیدھا کرتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بیگم صاحبہ نے اس کو سیاہ

سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔ تالا کنجی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ کسی دن ایسا جل دے گا، بیگم صاحبہ کو کہ وہ بھی یاد کریں گی۔ مگر بولے کون اور کس کی شامت آئی ہے کہ بیگم صاحبہ کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرے۔ خدا بخش کو جب بھی موقع ملتا وہ مسعود پر یہی زور ڈالتا کہ وہ گھر کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لے یا سعدیہ کو آمادہ کرے کہ وہ سنبھالے اس گھر کو۔ مگر مسعود ہمیشہ اس ذکر کو ٹال دیا کرتا تھا۔ آج بھی خدا بخش اپنا حقّہ لیے مسعود کے کمرے میں آ گئے۔ مسعود ابھی بستر پر لیٹا اخبار ہی پڑھ رہا تھا کہ خدا بخش کو دیکھ کر اخبار ایک طرف رکھ دیا اور اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کہو بابا کیا حال ہے کھانسی کیسی ہے اب۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”صاحب بڑھاپے کی کھانسیاں بھی کہیں جایا کرتی ہیں اور میں تو اب پروا بھی نہیں کرتا۔ آتی ہے تو آتی رہے کیسی ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”نہیں بابا یہ غلط ہے۔ آج تم میرے ساتھ چلو ڈاکٹر کے یہاں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم کو دمہ نہ ہو جائے۔“

خدا بخش نے ہنس کر کہا۔ ”دمہ بھی ہو جائے گا تو کیا لے گا۔ ایک جان ہے آخر اس کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تو ہونا ہی چاہیے۔ خیر چھوڑیے بھی اس ذکر کو میں تو یہ کہنے آیا تھا کہ آخر آپ کا ارادہ کیا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ نواب نظام الدولہ بہادر کی یہ دولت کوئی مفت لے اُڑے۔“

مسعود نے کہا۔ ”آخر بابا میں کیا کروں۔“

خدا بخش نے اپنے پوپلے منہ سے گویا دانت پیس کر کہا۔ ”کیجیے یہ کہ ان سب مفت خوروں کو کان پکڑ پکڑ کر نکال باہر کیجیے۔ یہ سب اپنے حلوے مانڈے کی فکر میں ہیں۔ کل کی خبر سناؤں آپ کو۔ کل بھی کچھ روپیہ اجمل نے اپنے نام سے جمع کرایا ہے بینک میں۔ اب چالیس ہزار ہو چکا ہے اس کے نام سے جمع۔ آخر یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے اور کیوں جمع ہو رہا ہے اس کے نام سے۔“

مسعود نے کہا۔ ”بابا میں کیسے یقین کروں کہ اجمل اتنا گہرا آدمی ہو سکتا ہے۔“

خدا بخش نے بات کاٹ کر کہا۔ میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ پڑھ لیجیے یہ لفافہ کھول کر۔ یہ میں نے راستے ہی سے اڑا دیا ہے۔ یہ بنک سے آیا ہے۔ جس میں اس کا حساب لکھا ہے۔“

مسعود نے لفافہ لے کر اب جو پڑھا تو وہ واقعی بینک کا حساب تھا کہ آپ کی کل رقم ۳۷ ہزار جمع ہے اگر یہ حساب درست ہے تو اس کاغذ پر دستخط کر کے واپس کر دیجیے۔ مسعود کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تو خدا بخش نے کہا۔ ”کیوں صاحب اب بھی کوئی شک ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”تعجب ہی ہوتا ہے۔ مگر بابا ایک بات میں تم کو بتا دوں کہ دراصل میں اس بیچ میں آنا ہی نہیں چاہتا۔ بیگم صاحبہ کی نظروں میں میری جو کچھ عزت ہے وہ اسی دن تک ہے جب تک ان کو یقین ہے کہ میری نظر ان کی دولت کی طرف نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ میرے ذہن میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں بیگم صاحب کی توجہ اس لیے حاصل کروں کہ ان کے پاس اتنی دولت ہے۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”یہ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں کہ آپ کو اس دولت کی کتنی پروا ہے اور کتنی نہیں۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ بیگم صاحبہ کو یہ سب کچھ نہ بتانا کیا آپ کے خیال میں اُن سے دشمنی نہیں ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”بابا اس گھر کے ڈھنگ ہی دنیا سے نرالے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں ہے کہ میں یہ بات بیگم صاحبہ کو بتا دوں اور ہنس کر ٹال دیں۔ ان کا تو عالم یہ

ہے کہ وہ خود دونوں ہاتھوں سے دولت اڑا رہی ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دولت کے کیسے پر لگ جائیں اور یہ اڑ جائے۔ ان کے یہاں سوائے کوٹھیوں کے کرائے کے آمدنی کی اور مد ہی کون سی ہے۔ رہ گئے اخراجات وہ تم خود ہی دیکھ رہے ہو۔''

خدا بخش نے کہا۔ ''یہ سب کچھ تو اس لیے ہو رہا ہے نا کہ ان کو معلوم ہے کہ ان کا کون بیٹھا ہے، جس کے لیے وہ دولت چھوڑ جائیں۔ اسی دولت کو اڑانے کے لیے تو وہ اتنے مفت خورے اور بے فکرے جمع کیے ہوئے ہیں۔ اب آج کل ایک لونڈیا وہ لائی گئی ہے۔ کیا نام ہے اس کا شہناز آج کل بس وہی وہ ہے۔ سنا ہے کہ اس کے لیے آپ کو گھیرا جا رہا ہے۔''

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ''بڑی خبریں رکھتے ہو بابا۔''

خدا بخش نے کہا۔ ''مجھے معلوم سب رہتا ہے مگر ہونٹ سیئے بیٹھا رہتا ہوں۔ مجھے جب اس بات کا پتہ چلا تو میں دل ہی دل میں بہت ہنسا کہ ہمارے مسعود میاں کو بھی کیا بیگم صاحبہ نے اجمل سمجھ رکھا ہے کہ وہ ان دلدلوں میں پھنستے پھریں گے۔''

مسعود نے جان بوجھ کر پوچھا۔ ''دلدل؟ دلدل سے کیا مطلب ہے۔''

خدا بخش نے بڑے غور سے مسعود کو دیکھ کر کہا۔ ''اب آپ مجھ بڈھے کو بناتے ہیں۔ کس بھولے پن سے پوچھ رہے ہیں جیسے کچھ پتہ ہی نہ ہو۔ وہ تو آپ کے ساتھ کی پڑھی ہوئی ہے۔ آپ سے زیادہ اس کو کون جان سکتا ہے۔''

مسعود نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ ''جانتا تو میں بھی اس کو خوب ہوں۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس نے بیگم صاحبہ کو ایک دم کس طرح شیشے میں اتار لیا۔''

بڑے میاں نے حقے کا ایک کش لیتے ہوئے کہا۔ ''ان کی بھی بھلی چلائی آپ نے۔ ان کی تو جو ذرا تعریف کر دے ہاں میں ہاں ملا دے ان کی ہر بات پر واہ واہ کر دے وہی ان کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے وہ ٹھہری کالج کی پڑھی لکھی لڑکی اس نے بیگم صاحبہ کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رکھے ہیں۔ کل ہی تو کہہ رہی تھی کہ خالہ جان آپ کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کالج میں نہیں پڑھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان بیچاری کی تو خوراک ہی یہ تعریف بن کر رہ گئی ہے۔''

مسعود ہر چند کہ اس حقیقت سے خود آگاہ تھا۔ مگر اس نے کہا۔ ''بابا یہ بات نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ میں اتنی سمجھ بھی ہے کہ وہ جھوٹی خوشامد کو بھی خوب سمجھتی ہیں۔''

خدا بخش نے منہ بنا کر کہا۔ ''خاک سمجھتی ہیں۔ میں کہتا ہوں مجھ سے شرط رہی کہ جس کا جی چاہے وہ ان کی خوشامد کر کے ہزار پانچ سو تو جب جی چاہے اینٹھ سکتا ہے۔ پھر یہ کہ شہناز اور سب سے زیادہ سمجھ دار بھی ہے۔ وہ تعریف اس طرح کرتی ہے کہ اس پر جھوٹی تعریف کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔ اب آج کل بیگم صاحبہ شہناز سے اس قدر خوش ہیں کہ ان کی پوری کوشش یہ ہی ہے کہ وہ اس کو آپ کے سر منڈھ دیں۔''

مسعود نے کہا۔ ''مگر بابا جس سر وہ منڈھنا چاہتی ہیں اس سر میں بھلا اتنے بال کہاں۔''

خدا بخش نے کہا۔ ''خیر آپ کے متعلق تو میں جانتا ہوں کہ آپ کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ سعدیہ بی بی ایسی حور کو چھوڑ کر آپ یہ بلا اپنے سر لائیں گے۔''

مسعود ایک مرتبہ چکرا کر رہ گیا اور اس نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز سے کہا ''سعدیہ یہ کیا کہہ رہے ہو بابا۔''

خدا بخش نے بڑی شفقت آمیز مسکراہٹ سے کہا۔ ''اب دیکھ لیجیے یہ ہی باتیں مجھ کو بُری لگتی ہیں کہ آپ مجھ سے چھپاتے ہیں۔ مجھے سب پتہ ہے اور اللہ جانتا

ہے کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہے۔ آپ نے وہ ہیرا چھانٹا ہے جس کا مقابلہ ان میں سے ایک نہیں کرسکتی۔ اللہ جانتا ہے مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس میں دنیا دیکھے ہوئے ہوں اور نظروں کی پہچان رکھتا ہوں۔"

مسعود واقعی خدا بخش سے ڈر گیا تھا کہ نہایت ہی خطرناک نظر باز نکلا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اجمل نے اس کو آواز دی اور خدا بخش مسعود سے یہ کہہ کر رخصت ہوگیا کہ "بنک کا یہ خط اپنے پاس رکھئے اور خدا کے لیے کچھ کیجیے۔"

بیگم صاحبہ حسب معمول اپنا دربار لگائے اپنی شان میں نو تصنیف قصیدے سننے میں مشغول تھیں۔ کبھی اپنی تعریف پر اپنے جوانی سے اُترے ہوئے چہرے پر سرخی پیدا کرلیتی تھیں اور کبھی انتظاماً اپنے کو کسر نفی میں مبتلا کر کے کچھ اپنے بڑھاپے کا ذکر چھیڑ دیتی تھیں اور مقصد ہوتا تھا اس ذکر کا کہ باقی سب ان کو یقین دلائیں کہ وہ بوڑھی نہیں ہیں۔ جب اس قسم کے ذکر چھڑ جاتے تھے تو سعدیہ کے لیے یہ مصیبت ہوتی تھی کہ وہ کیا کرے۔ بار بار بیگم صاحبہ کی نظریں اس کی طرف اٹھتی تھیں اور اس کے باوجود وہ اس سستی اور جھوٹی تعریف سے اپنے کو معذور پاتی تھی۔ اور وہ عجیب گومگو کے عالم میں مبتلا ہوکر رہ جاتی تھی۔ آج بھی ذکر یہ چھڑا ہوا تھا کہ بیگم صاحبہ اپنی عمر تیس سے اوپر بتا رہی تھیں اور باقی سب بائیس اور پچیس کے درمیان پر مصر تھے۔ شہناز نے اپنے نزدیک بڑے لیے دیے انداز سے کہا۔

"آپ کی عمر آپ سے زیادہ صحیح تو خیر ہم نہیں بتا سکتے۔ بہر حال آپ کے چہرے سے آپ کی عمر وہ نہیں معلوم ہوتی جو آپ بتا رہی ہیں۔"

ایک اور صاحبزادی بولیں کہ "آپ نے کچھ خواہ مخواہ بھی بزرگی اپنے اوپر طاری کر رکھی ہے۔"

اجمل نے بغیر سمجھے بوجھے کہا۔

''برس بیس بائیس کا ہوگا سن
جوانی کی راتیں امنگوں کے دن''

بیگم صاحبہ کو اس بیہودہ شعر پر اس قسم کا غصہ آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ اس میں ان کی تعریف کا پہلو تھا۔ لہٰذا مصنوعی غصے کے ساتھ کہا۔ ''دماغ ٹھیک ہے اجمل میاں یا ٹھیک کیا جائے۔ لو اور سنو میری کونسی جوانی کی راتیں اور کون سے امنگوں کے دن تم نے دیکھے ہیں۔ ایک تو موئی جوانی ہے ہی کہاں اور ہے بھی تو اس نامراد جوانی کو جوانی کون کہہ سکتا ہے۔''

شہناز نے کہا۔ ''آپ بھی ان حضرت کی باتوں کا خیال کرتی ہیں۔ ان کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ بات موزوں ہے یا نہیں ان کو تو بس شعر موزوں کرنے سے کام ہے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''یہی تو میں کہتی ہوں کہ کسی دن اپنی شاعری کے ہاتھوں کہیں پٹ ضرور جائیں گے۔''

اجمل نے بڑی روغنی بات کہی کہ ''جب میں یہاں نہ پٹ سکا جہاں کا پٹنا میرے لیے باعث سعادت ہو سکتا تھا اور کسی کی کیا مجال کہ میرے متعلق ایک لفظ بھی کہہ سکے۔''

بیگم صاحبہ نے اس ذکر کو ٹالنے کے لیے کہا۔ ''خیر چھوڑیے اس ذکر کو اور یہ بتائیے کہ یہ رجسٹر وجسٹر آپ کیسا لیے بیٹھے ہیں؟''

اجمل نے کہا۔ ''میں حساب پیش کرنے حاضر ہوا تھا۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو ایک نظر دیکھ لیجیے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''بھئی میں کیا کروں گی حساب دیکھ کر، ٹھیک ہی ہوگا۔ میرا عقیدہ ہے کہ مجھ رانڈ بیوہ کے ساتھ اگر بے ایمانی کرو گے تو پنپ نہ سکو گے۔ میں دنیا

کی ایک بات کہہ رہی ہوں ورنہ میرا مطلب خدا نہ کرے یہ نہیں کہ تم حساب میں گڑبڑ کر دو گے۔ مجھے تو تم پر پورا بھروسہ ہے۔ اگر بھروسہ نہ ہوتا تو میں آنکھ بند کر کے حساب تم کو دیتی ہی کیوں۔''

اجمل نے کہا۔ ''اسی بھروسے کی وجہ سے تو جان ہر وقت سولی پر رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت آبرو رکھ لے۔ یہ روپے پیسے کا معاملہ ہوتا بڑا بیڈھب ہے۔ بہر حال ایک نظر اس حساب پر ڈال کر اس چیک پر دستخط کر دیجئے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''کیا مطلب اتنی جلدی وہ پانچ ہزار ختم ہو گئے۔''

اجمل نے کہا۔ ''اسی میں سے سب کے جیب خرچ تقسیم ہوئے۔ نوکروں کی تنخواہیں دی گئیں۔ باغ والی کوٹھی کے مزدوروں کا حساب کیا۔ ڈاکٹر کا بل ادا کیا گیا۔''

بیگم صاحبہ نے اجمل کے ہاتھ سے قلم لے کر چیک پر دستخط کرنا چاہے تو اجمل نے ایک مرتبہ پھر کہا۔ ''آپ ایک نظر اس حساب پر ڈال لیتیں تو مجھ کو اطمینان کی نیند آ جاتی۔''

بیگم صاحبہ نے حساب کا رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔ ''توبہ ہے کہہ تو دیا کہ تم نے حساب ٹھیک ہی رکھا ہوگا۔ مگر یہ اتنی زیادہ رقم کیوں نکلوا رہے ہو۔ جیب خرچ اور تنخواہیں بٹ چکیں تو اب پانچ ہزار کی کیا ضرورت ہے۔''

اجمل نے کہا۔ ''پرسوں انکم ٹیکس بھی بھیجنا ہے اور درزی کا حساب بھی پڑا ہے۔ مسعود صاحب کے جو سوٹ وغیرہ آپ نے بنوائے تھے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''مسعود ہی کا نام کیوں لیتے ہو۔ کیا تمہارا سوٹ نہیں بنا ہے۔ البتہ اس کا ڈریس سوٹ ضرور فالتو بنا ہے۔ جس کی تم کو نہیں مگر اس کو ضرورت تھی۔ ذرا بلانا تو مسعود میاں کو۔''

اجمل نہایت سعادت مندی کے ساتھ مسعود کو بلانے چلے گئے تو بیگم صاحبہ نے سعدیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ’’یہ سب کچھ مجھے اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ نہ تم میری مدد کرتی ہو نہ مسعود میاں۔ آخر تم دونوں کے علاوہ میں کس پر چھوڑ دوں حساب کتاب۔‘‘

سعدیہ نے کہا۔ ’’مجھے تو آپ نے کبھی حکم بھی نہیں دیا۔ دوسرے میرا یہ خیال ہے اجمل بھائی کو اس بات پر ناگواری پیدا ہوگی کہ خرچ کریں وہ، اور حساب فہمی کروں میں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’اس میں ناگواری کی تو کوئی بات نہیں۔ میں اگر ایک کام ان کے سپرد کر سکتی ہوں تو دوسر تمہارے سپرد کر سکتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ مجھے اور کوئی تو شکایت نہیں ہے مگر میرا خیال ہے کہ اجمل کا ہاتھ کھلا ہوا بہت ہے۔ ہر دوسرے تیسرے مجھے چک پر دستخط کرنا ہی پڑتے ہیں۔‘‘

سعدیہ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اجمل مسعود کو لے کر آ پہنچے۔ بیگم صاحبہ نے مسعود کو دیکھتے ہی کہا۔

’’بھی مجھے پوچھنا یہ تھا کہ وہ ڈریس سوٹ درزی کے یہاں ہی پڑا رہے گا یا لایا بھی جائے گا کبھی۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’ٹرائی تو دے آیا تھا۔ غالباً تیار ہی ہو گیا ہوگا لے آؤں گا کسی وقت۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’آپ جائیے شہناز کے ساتھ اور لے کر آیئے۔ شہناز کو میں اس لیے بھیج رہی ہوں کہ یہ دیکھ کر اس کی فٹنگ کے متعلق فیصلہ کریں گی۔‘‘

مسعود نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ’’گویا ڈریس سوٹ کی اس دور میں سب سے بڑی ماہر شہناز صاحبہ ہیں۔ حالانکہ میں نے ان کو کبھی ڈریس سوٹ میں دیکھا بھی نہیں۔‘‘

شہناز نے ذرا تلخی سے کہا۔ ’’فٹنگ دیکھنے کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ لباس پہنا بھی ہو۔ میں نے ڈریس سوٹ پہنا بے شک نہیں ہے مگر دیکھے بہت ہیں۔‘‘

اجمل نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا۔ ’’چلئے میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔‘‘

بیگم صاحبہ نے جل کر کہا۔ ’’آپ سے کون کہہ رہا ہے جانے کے لیے آپ کو بھلا کیا سلیقہ۔ ذرا اپنے ہی کپڑے دیکھ لیجیے۔ غارت کر کے رکھ دیا اتنا قیمتی کپڑا۔ نہ جانے کسی موچی سے یہ سوٹ سلوایا ہے یا خود سی کر پہن لیا ہے۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’وہ ایک ہی بات ہے۔‘‘

مسعود نے اجمل کو بھڑکانے کے لیے کہا۔ ’’یہ زیادتی ہے شہناز صاحبہ‘‘

اجمل نے کہا۔ ’’جی کوئی مضائقہ نہیں ع
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’یہ اور مصیبت ہوئی اب یہ فارسی کے مصرعے بھی پڑھنے لگے۔ بہر حال آپ ایک کام کیجئے اجمل صاحب۔ یہ رجسٹر جو آپ مجھ کو دکھانا چاہتے ہیں اگر دکھانا واقعی ضروری ہے تو میرے بجائے مسعود میاں کو دکھا دیا کیجئے‘‘

مسعود نے گھبرا کر کہا۔ ’’کیسا رجسٹر؟ آپ کے کلام کا؟‘‘

بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔ ’’جی نہیں اجمل صاحب چاہتے ہیں کہ میں حسابات پر ایک نظر ڈال لیا کروں اور میں اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی۔ لہٰذا میری طرف سے تم دیکھ لیا کرو۔‘‘

اور مسعود کو فوراً وہ خط یاد آ گیا جو خدا بخش نے اس کے پاس رکھوایا ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً وہ رجسٹر لے کر کہا۔ ’’اگر آپ کا یہی حکم ہے اور اجمل صاحب کا ایسا ہی

اصرار ہے تو دیکھ لیا کروں گا۔"

بیگم صاحبہ نے شہناز کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بہر حال اس وقت تو آپ دونوں جائیں اور وہ ڈریس سوٹ لے کر آئیں۔"

حکم حاکم مرگ مفاجات۔ مسعود کو شہناز کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

نازلی کو پہلے تو طرح طرح کے اندیشے گھیرے رہے کہ نہ جانے مسعود اس کا پرچہ پڑھ کر کیا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ کہیں وہ بیگم کو یہ پرچہ نہ دکھا دے۔ بیگم صاحبہ کو نہ سہی کہیں وہ شہناز کو نہ پڑھا دے۔ بہر حال یہ ایک ہی بات ہوتی بیگم صاحبہ کے ہاتھ اگر یہ پرچہ لگ جاتا تو وہ بھی ڈھنڈورہ پیٹ دیتیں اور شہناز کو خبر ہو جاتی تو بھی یہ پرچہ بیگم صاحبہ کے علم میں آئے بغیر نہ رہتا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ہی اس کے یہ اندیشے تو ختم ہو گئے، مگر اب اس کو اپنے اس پرچے کا جواب نہ ملنے پر طرح طرح کے وہم گھیرے ہوئے تھے کہ کہیں مسعود نے اس پرچے کو جواب کے قابل ہی نہ سمجھا ہو۔ کہیں اس نے یہ تو نہ سوچا کہ وہ خاموش رہے گا تو میں بھی چپ ہو رہوں گی۔ شاید اس نے مجھ کو قابل اعتنا ہی نہ گردانا۔ وہ کئی مرتبہ مسعود کے کمرے کی طرف سے بلا ضرورت بھی ہو کر گزری۔ کئی مرتبہ اس نے مسعود کو کسی طرف جاتے دیکھ کر خواہ مخواہ بھی اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی مگر مسعود تو اب ایسا گول ہو گیا تھا گویا اس نے وہ پرچہ وصول ہی نہیں کیا۔ مگر عین مایوسی کے عالم میں اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ایک دن مسعود نے خود اس کو اپنے کمرے کی طرف سے گزرتے ہوئے آواز دے کر بلایا۔ وہ یہ آواز سن کر گھبرا سی گئی۔ یا تو مسعود کی توجہ کا اتنا انتظار تھا یا اس وقت اس کا جی چاہا کہ بھاگے سر پر پیر رکھ کر۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اس کے قدموں میں ایک دم سے لغزش سی پیدا ہو گئی۔ مگر مسعود کی دوسری آواز پر اس کو

کمرے میں جانا ہی پڑا اور وہ دروازے کے قریب ہی کھڑی ہو کر دوپٹے کے آنچل کو مروڑنے لگی۔ مسعود نے بڑے پیار سے کہا۔

''نازلی تمہارے پرچے کا جواب میرے ذمہ ہے اور جواب دینے میں دیر اس لیے ہوئی ہے کہ تمہارے سلسلے میں جو ذمہ داری میں لینا چاہتا تھا وہ اتنی اہم اور نازک تھی کہ جب تک میں اپنے کو اس کے لیے تیار نہ کر لیتا تم کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔''

نازلی سر جھکائے بدستور اپنے دل کی دھڑکنوں کو تیز تر کر رہی تھی۔ دوپٹے کا آنچل مسلسل مروڑا جا رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح مسعود اس لمبی بات کو مختصر کر کے صرف یہ کہہ دے کہ تم اطمینان رکھو میں تمہارا صرف تمہارا ہوں۔ مسعود بھی اس حد تک تو روانی سے بات کر گیا مگر اب اس کو رکنا پڑا۔ آخر ایک مختصر سے وقفے کے بعد اس نے کہا۔

''نازلی تم کو نہیں معلوم کہ جب تک تمہارا یہ پرچہ مجھ کو نہیں ملا ہے اس وقت تک میں اپنے کو کتنا تنہا محسوس کرتا تھا۔ میرا کوئی نہ تھا جس کو اپنا کہہ سکوں۔ ماں باپ کا پیار میری قسمت میں تھا ہی نہیں۔ بھائی میرا کوئی نہ تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میری ایک بہن ہوتی جس کے میں لاڈ اٹھاتا۔ جس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا اور ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر فخر محسوس کرتا۔ تم کو معلوم ہے کہ تمہارے اس پرچے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ نازلی تمہارے ان چند فقروں نے میرے دل میں بہن کی محبت جگا دی۔''

نازلی پر یہ سن کر خدا جانے کیا کیفیت گزری ہوگی۔ اس کیفیت کی شدت کا اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود انتہائی شرم کے اس سے ضبط نہ ہو سکا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔ ''جی''!

مسعود نے بڑی محبت سے کہا۔ ''ہاں ہاں مجھ کو ایک پیاری پیاری بے وقوف سی بہن مل گئی۔ وہ بے وقوف بہن جس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کس میں بھائی کی محبت ڈھونڈی جا سکتی ہے اور کس میں زندگی کے ساتھی کی۔ میرے دل میں تمہارے لیے جو احترام اور پیار تمہارا پرچہ پڑھ کر پیدا ہو وہ اس احترام اور اس پیار سے قطعاً مختلف تھا جو شریک زندگی کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اب تمہارا بھائی تم کو یہ بھی بتائے دیتا ہے کہ اس کے پاس دراصل یہ دوسرا پیار تھا ہی نہیں۔ یہ بہت پہلے کسی اور کے حصے میں آ چکا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر یہ پیار کسی اور کے حصے میں نہ آ چکا ہوتا تو تمہارے حصے میں آ جاتا۔ نہیں میں اپنی اچھی بہن سے یہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تم تو جب بھی میرے قریب آتیں بحیثیت بہن ہی کے آتیں۔ نازلی میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کسی کو اس محبت کے ساتھ بہن نہیں بنایا۔ اس لیے کہ یہ سودا بھی بڑی ذمہ داری کا سودا ہے۔ مگر میں تمام ذمہ داریوں کے لیے تیار ہو کر اپنے کو بحیثیت ایک چاہنے والے بھائی کے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔''

مسعود کو کیا معلوم تھا کہ اس وقت دروازے کا سہارا لیے نازلی کس بری طرح رو رہی تھی۔ اس کو اس وقت تک تو نازلی کے رونے کا پتہ ہی نہ چلا جب تک اس گریۂ بے اختیار نے سسکیوں کی شکل اختیار نہ کی۔ اور اب جو اس کو معلوم ہوا کہ وہ رو رہی ہے تو وہ بیتاب ہو کر آگے بڑھا اور اپنے کو سنبھال کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''تم رو رہی ہو نازلی تم کو اتنا افسوس ہے ایک بھائی کے ملنے کا۔''

نازلی نے بمشکل تمام کہا۔ ''آنسو ہمیشہ غم کے نہیں ہوتے۔''

اور اسی وقت مسعود اور نازلی دونوں کو بیگم صاحبہ کی خشمگیں آواز نے چونکا دیا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو نازلی؟ اس بے حیائی سے پہلے تم نے یہ بھی یاد نہ کیا

کہ تم ایک شریف ماں باپ کی بیٹی ہو۔"

مسعود نے جلدی سے کہا۔ "آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے اس کو بھی جھڑک دیا۔ "میں جو کچھ سمجھ رہی ہوں وہ وہی ہے جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مجھ کو کیا معلوم تھا کہ اس گھر میں یہ کھیل بھی کھیلے جا رہے ہیں۔ حیرت اس نادان لڑکی پر نہیں ہے بلکہ تم پر ہے، جس سے میری بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔"

مسعود نے بدستور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا۔ "آپ میری بات تو سن لیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ غلط نتیجے پر پہنچی ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے بدستور بے رخی کے ساتھ کہا۔ "تم چاہتے ہو کہ میں نگاہوں کو جھٹلا دوں۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کو خواب سمجھ لوں۔ میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ لو بھلا میں تو اجمل ہی کو ڈانٹ رہی تھی کہ تو مسعود پر اتہام رکھ رہا ہے وہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ولی کے روپ میں بھی شیطان ہو سکتا ہے۔"

نازلی سے اب ضبط نہ ہو سکا اور اس نے کہا۔ "یہ آپ ان کو کہہ رہی ہیں جو ابھی مجھ کو میری ایک لغزش سے سنبھال چکے ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے قہر آلود نظروں سے نازلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بکواس بند کرو۔ اب یہی تم کو سنبھالیں گے۔ اور سنبھالیں گے کیا سنبھالنے کا منظر تو میں خود دیکھ چکی ہوں۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش نہ کرو۔"

مسعود نے کہا۔ "آپ کو اپنے ان الفاظ پر یقیناً شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جب آپ کو معلوم ہوگا کہ بات کچھ اور تھی جس کو آپ نے سمجھا کچھ اور۔"

بیگم صاحبہ نے بڑے طنز سے کہا۔ "جی بجا ارشاد ہوا۔ خدا کی شان وہی ہم کو آج بے وقوف بنا رہے ہیں جن کو ہم نے اس قابل کیا ہے کہ یوں بڑھ بڑھ کر باتیں کریں۔ بہرحال سو باتوں کی ایک بات یہ کہ اس نجوگ کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔"

مسعود نے اب بھی بیگم صاحبہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "آپ خواہ مخواہ اپنے کو اس تکلیف میں مبتلا کر رہی ہیں۔ میں ابھی آپ کو سارا قصہ سنائے دیتا ہوں اور میرا وعدہ ہے کہ آپ خود ہی مطمئن ہو جائیں گی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "سارا قصہ طے ہو جانے کے بعد اب آپ مجھ کو سارا قصہ سنانے چلے ہیں۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اگر یہی منظور تھا تو مجھ سے کہا ہوتا، میں ہنسی خوشی نہایت عزت اور شرافت کے ساتھ دو بول پڑھوا دیتی اور سمجھ لیتی کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ لو بھلا میں کیوں روکتی۔ وہی مثل کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ مگر مزا تو آتا ہے چوری چھپے کی ملاقاتوں میں۔"

نازلی نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "او خدا۔ للّٰہ آپ ہماری بات تو سن لیں۔"

اور مسعود بھی ایک دم چونک پڑا۔ جب بیگم صاحبہ کا بھرپور طمانچہ نازلی کے رخسار پر پڑا۔ اس نے بڑھ کر بیگم صاحبہ اور نازلی کے درمیان آتے ہوئے کہا۔ "بس کیجئے آپ۔ اگر آپ ہماری بات سننا نہیں چاہتیں تو آپ کو اس کا کوئی حق نہیں کہ محض اپنی غلط فہمی کی بنا پر آپ اس قدر حد سے گزر جائیں۔"

بیگم صاحبہ نے مشتعل ہو کر کہا۔ "تم مجھ سے مقابلہ کرنے کو آگے بڑھے ہو؟"

مسعود نے کہا۔ "خدا نہ کرے میں اتنا کمینہ ہو جاؤں۔"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "جتنی کمینی میں ہوں۔ بہت اچھا! مل گیا مجھ کو صلہ۔ بہتر ہے آپ اپنی ان منظور نظر کو لے کر جہاں سینگ سمائیں جا سکتے ہیں۔

اس گھر میں ایسے احسان فراموشوں کے لیے اب کوئی جگہ نہیں ہے۔"

اور یہ کہہ کر جاتے جاتے اجمل سے کہہ گئیں۔" یہ دونوں مع اپنے سامان کے جا سکتے ہیں۔ جو کچھ میں دے دیتی ہوں وہ واپس نہیں لیتی۔ مگر ان سے کہیے کہ اپنا راستہ دیکھیں۔

اور اب مسعود کے لیے بھی سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ وہ نازلی کو لے کر اس گھر سے رخصت ہو جائے۔ مسعود کے چند کاغذات کے علاوہ ان دونوں کے ساتھ کچھ نہ گیا۔

ریاض کے گھر تو مسعود کیا آئے گویا عید آ گئی۔ اندر سے باہر تک ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مسعود نے نازلی کو ریاض کی والدہ اور بہن کے پاس اندر بھیج دیا اور خود ریاض کو لے کر بیٹھ گیا اور شروع سے آخر تک کا تمام قصہ اس کو تفصیل سے سنایا کہ اسی میں سعدیہ کا ذکر آ گیا۔ اسی میں نازلی کے اس پرچے کا ذکر آ گیا جو اس قیامت کا باعث بنا۔ اور اسی میں ریاض کے اُس احسان عظیم کا شکریہ ادا کر دیا جو شہناز کی صورت میں اس کی گردن پر ریاض نے کیا تھا۔ ریاض نے بڑی محویت کے ساتھ سارا قصہ سن کر کہا۔

"کمال ہے کہ اتنے شریفانہ جذبے کا یہ صلہ ملا ہے۔"

مسعود نے کہا۔" بات یہ ہے کہ اجمل نے نہ جانے بیگم صاحبہ کے کان کس کس طرح بھرے ہوں گے اور ان کو یقین ہو گیا ہو گا کہ شہناز کے سلسلے میں جو پروگرام وہ بنائے بیٹھی ہیں وہ اب پورا نہیں ہو سکتا۔ پھر لطف یہ کہ جس وقت وہ تشریف لائیں میں اس احمق لڑکی کو جو مسلسل رو رہی تھی سر پر ہاتھ پھیر کر سمجھا رہا تھا، اور جو فقرہ بیگم صاحبہ نے سنا وہ یہ تھا کہ نازلی مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آنسو ہمیشہ غم ہی کے نہیں ہوتے۔ بس وہ ایک نتیجہ پر پہنچ کر عقل کے دروازے بند کر بیٹھیں۔"

ریاض نے کہا" یار تم کچھ کہو میں تو صاف بات کہتا ہوں کہ میری سمجھ میں تو تمہاری یہ بزرگ محترمہ ہی نہیں آئیں۔ میں تو خود ان ہی کو کچھ گڑ بڑ سمجھا ہوں۔"

مسعود نے کہا۔ ''نہیں یہ غلط ہے۔ ان کی پاکبازی کی تو میں قسم کھا سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے انداز اور طریقوں سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو تم نے نکالا ہے۔''

ریاض نے نہ مانتے ہوئے کہا۔ ''بھائی میرے یہ ٹھسے یہ غمزے اور یہ نخرے خواہ مخواہ تو ہو ہی نہیں سکتے۔ کہو تو شرافت کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ کہیں۔ مگر دل کی جو پوچھو تو دل نہیں مانتا۔ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ تم سے تو خیر کسی نے کچھ نہ کہا مگر بعد میں بڑے چرچے رہے۔ احسن کی اس رائے سے اکرم اور اقبال سب ہی متفق تھے کہ تم بیگم صاحبہ کے لیے کوئی اور ہی حیثیت رکھتے ہو۔''

مسعود نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ''استغفراللہ۔''

ریاض نے کہا۔ ''یہ تو خیر میں نے بھی کہہ دیا تھا کہ بیگم صاحبہ کے متعلق تو خیر میں کچھ نہیں کہتا مگر مسعود کے متعلق میں قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر یاروں نے مجھے بنانا شروع کر دیا کہ وہ تم کو بھی بڑی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔''

مسعود نے کہا۔ ''دیکھ بھئی، میں ان کے گھر سے چلا آیا ہوں۔ بلکہ مجھ کو بیگم صاحبہ خود نے نکالا ہے میں ان سے شاکی ہوں اور نازلی غریب کے ساتھ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس پر مجھے شدید غصہ بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ بیگم صاحبہ وہ یقیناً نہیں ہیں جو نظر آتی ہیں اور جو تم لوگ سمجھتے ہو۔ البتہ یہ کمزوری ان میں ضرور ہے کہ اپنے حسن اپنی کشش اپنی جامہ زیبی اور اپنی کم عمری کے قصیدے سن سن کر وہ جی رہی ہیں گویا ایک ذہنی تعیش میں وہ ضرور مبتلا ہیں اور یہی خود فریبی ان کی زندگی بن چکی ہے۔''

اندر سے چائے آ گئی تو ریاض نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''چلو جی گولی مارو۔ ہم سے کیا ہمارے لیے تو بیگم صاحبہ کی یہ غلط فہمی نعمت بن گئی کہ تم آ گئے۔ حالانکہ تم مکمل نہیں آئے ہو سعد یہ میں دل اٹکا ہوگا کہ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی۔''

مسعود نے کہا۔ ''نہیں اس کی طرف سے مجھے اطمینان ہے وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے اور میں جتنا اس کو سمجھ چکا ہوں اس کے بعد یہ کہہ ہی سکتا ہوں کہ اس قسم کے طوفان اس کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ اس کو میرے چلے آنے کا رنج ضرور ہوا ہوگا مگر وہ بڑی مدبر اور سمجھدار لڑکی ہے۔ وہ نہایت ٹھوس قدم اٹھائے گی جو بھی اٹھائے۔''

ریاض نے ایک دم پھر چائے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''بھئی ٹھنڈی ہو جائے گی چائے۔ مگر یہ کیا واہیات بات ہے کہ کیا یہ خواتین اندر ہی چائے پئیں گی؟''

یہ کہکر وہ ایک دم اٹھا اور پردہ اٹھا کر چیخا۔ ''امی جان ہم لوگ آپ سب کے چائے پر منتظر ہیں۔''

ابھی وہ آ کر بیٹھا ہی تھا کہ ریاض کی والدہ اور زہرہ یعنی ریاض کی بہن کے ساتھ نازلی بھی باہر آ گئیں۔ مسعود نے اٹھ کر تعظیم دی اور ریاض کی والدہ کو ادب سے سلام کیا۔ زہرہ نے مسعود کو سلام کیا۔ ریاض کی والدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مسعود میاں تم میرے ریاض کے لیے عید کا چاند بن کر آ گئے ہو اور نازلی کو ساتھ لا کر تم نے زہرہ کو اتنا خوش کیا ہے کہ میں کیا بتاؤں میں نے تو اس کو بہت دن کے بعد اتنا خوش دیکھا ہے۔''

مسعود نے کہا۔ ''جی ہاں خالہ جان میرے اور ریاض کے تعلقات ہی اس قسم کے ہیں کہ بیگم صاحبہ کے یہاں سے آنے کے بعد مجھ کو سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نہ تو سوجھ سکتا تھا نہ سوجھا۔ نازلی کو ان کے چچا کے گھر پہنچانے سے پہلے اور خود بھائی محمود کے یہاں جانے سے قبل میں نے کہا کہ پہلا ڈیرا ریاض کے گھر

لگایا جائے۔“

ریاض نے کہا۔ ”واضح رہے کہ یہ گھر ہے مسافر خانہ نہیں ہے۔ اگر یہاں سے کہیں جانے کا نام لیا الیشین کتے کھول دوں گا تم پر۔“

مسعود نے کہا۔ ”آپ کی موجودگی میں الیشین کی کوئی خاص کمی تو ہے نہیں۔ مگر نازلی کو تو پہنچانا ہے نا۔“

زہرہ نے کہا۔ ”کیوں بھائی صاحب ان کو کیوں پہنچانا ہے، کیا ان کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں ہے میں تو اب جانے دیتی نہیں ان کو۔“

نازلی نے کہا ”تو ابھی سے جانے کا ذکر کیوں شروع ہو گیا ابھی تو ہم آئے ہیں۔ چار دن میں انشاءاللہ خود ہی عاجز کر دیں گے۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”بیٹی میں تو کم سے کم عاجز ہونے والی ہوں نہیں۔ اگر ریاض اور زہرہ سے عاجز ہو سکتی ہوں تو تم سے اور مسعود میاں سے بھی عاجز ہو جاؤں گی۔ تم آج پہلی مرتبہ یہاں آئی ہو مگر مسعود میاں تو برابر آتے رہے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ اس گھر میں اور چاہے کچھ ہو یا نہ ہو مگر محبت کی کمی نہیں ہے۔“

ریاض نے کہا۔ ”دیکھئے بہن یہ جو آپ کے بھائی صاحب ہیں نا مسعود صاحب یہ اپنے وقت کے نہایت پہنچے ہوئے احمق ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے تعجب سے کہا۔ ”بھائی صاحب؟ تو کیا یہ بہن ہیں ان کی؟“

ریاض نے کہا۔ ”جی ہاں ان کی ہی نہیں بلکہ میری بھی۔“

زہرہ نے ہنس کر کہا۔ ”ہماری امی بھی اپنی جگہ خود بخود نہ جانے کیا کیا فیصلہ کر کے بیٹھ جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ بے چاری کئی مرتبہ اندر بھی مسعود بھائی کہہ چکی ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”نہیں میں نے سنا نہیں۔ خیر اب کچھ کھاؤ پیو تو سہی۔ دیکھو بھئی یہ گھر بالکل خانہ بے تکلف ہے، تکلف کرو گے تو خود ہی تکلیف اٹھاؤ گے۔ نازلی بیٹی مجھے تم اپنے ہاتھ سے ایک پیالی چائے کی بنا دو۔ ذرا میں دیکھوں تو سہی کہ میری نئی بیٹی کیسی بناتی ہے چائے۔ زہرہ کے ہاتھ کی چائے تو خدا نہ پلوائے کسی کو۔“

زہرہ نے نازلی سے کہا۔ ”بہن امی کے لیے چائے میں شکر نہ ڈالیے گا۔ بلکہ شکر میں چائے ڈال کر دیجئے۔“

ریاض نے اپنی والدہ سے کہا۔ ”اور کہیے ان سے بے تکلفی کے لیے۔ ماشاء اللہ حلوے کی پوری پلیٹ صاف کر گئے۔“

مسعود نے کہا۔ ”بھئی بات یہ ہے کہ میں اپنی صحت کا ذرا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”زہرہ حلوہ اور لے آؤ جا کر۔“

مسعود نے کہا۔ ”جی نہیں خالہ جان بس اب اور نہیں کھا سکتا۔“

ریاض نے کہا۔ ”آپ کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت آپ کے علاوہ اور بھی کچھ معززین یہاں بیٹھے ہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”مگر میں نے تو سنا تھا کہ حلوہ خوردن روئے باید۔“

ریاض نے برجستہ کہا۔ ”میاں اب کون کرتا ہے اس کی پروا، آپ یہ جانتے ہوئے بھی پلیٹ صاف کر گئے۔“

اسی بے تکلف اور دلچسپ گفتگو میں چائے ختم ہوئی اور اس کے بعد ریاض کی والدہ تو گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ اور ریاض اور مسعود نے مل کر اپنا ٹھکانہ اس طرح بنا لیا کہ نازلی کے لیے زہرہ کے کمرے میں بندوبست کر دیا گیا اور ریاض معہ اپنے بستر کے باہر آ گئے تاکہ مسعود کے ساتھ ذرا گاڑھی چھنے۔

مسعود کے لیے اس گھر میں کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی۔ ریاض کے کپڑوں کی الماری اس کے قبضے میں تھی۔ اسی طرح نازلی کو زہرہ کے ہر سوٹ کیس پر پورا اختیار حاصل تھا۔ پھر بھی مسعود بازار جا کر اپنے اور زہرہ کے لیے کچھ ضروری کپڑے اور روزمرّہ کے استعمال کا جو سامان لایا تو اب ریاض سے جان چھڑانا مشکل تھی۔ وہ اس کے سر ہو گیا کہ آخر تم یہ چیزیں خرید کر لائے کیوں۔ مسعود نے لاکھ سمجھایا کہ بابا مان لینا کوئی بُری بات نہیں ہے لہٰذا مان لو کہ یہ غیریت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ آج نہ سہی کل سہی، بہر حال یہاں سے جانا تو ہے ہی۔ لہٰذا کچھ نہ کچھ تو اپنے پاس بھی ہونا چاہیے۔ مگر ریاض تو بنیادی طور پر اسی تخیل کے خلاف تھا کہ یہاں سے جانا ہی کیوں ہے۔ اس نے قطعی فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ میں تم کو اس وقت تک یہاں سے ہلنے نہ دوں گا جب تک تم برسرکار نہیں ہو جاتے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا انٹرویو ہو چکا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انٹرویو کا کیا نتیجہ ہوگا۔ مگر اس سے پہلے تم ذرا قدم نکال کر دیکھو اس گھر سے کہ کیا ہوتا ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”اور اس گھر میں رہنے کی شرط یہ ہے کہ میں کپڑے بھی جناب ہی کے پہنوں۔ شیو بھی جناب ہی کے ریزر سے کروں۔ کنگھا بھی جناب ہی کا استعمال کروں۔ یار ریاض تم سر میں تیل ضرور لگایا کرو۔ سخت خشکی ہے تمہارے دماغ میں۔“

ریاض نے کہا۔ ”عقل کے دشمن جو ریزر تم استعمال کرتے ہو وہ میں نے تمہارے ہی لیے نکالا ہے۔ میرا ریزر علیٰحدہ ہے۔ کپڑے میرے پاس خدا کے فضل سے اتنے تو موجود ہیں کہ تم استعمال کرو تو بھی میرے لیے کم نہ پڑیں۔ پھر آخر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ آپ چھ پاجاموں کا لٹھا لا دلائے ہیں۔ چھ قمیصوں کی پاپلین خرید لائے ہیں البتہ یہ پتلونوں کی جو پیس لائے ہو یہ بحق ملک معظم ضبط۔ یہ تو بنوائے لیتا ہوں میں رہ گئے تم تو تمہاری سزا یہ ہے کہ یہ لٹھا باندھے اور یہ پاپلین لپیٹے پھرو۔ اور کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ نازلی کے لیے جو آپ نے ساریاں لانے کی زحمت فرمائی ہے وہ کسی سلسلے میں ہے۔ خدا کرے زہرہ باندھ ڈالے یہ ساریاں۔ یہ دونوں لڑ ہی رہی رہے تھے کہ ایک دم مسعود نے کہا۔ ”ارے خدا بخش۔ یہ یہاں کیسے۔ ان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں یہاں ہوں۔“

ریاض نے کہا۔ ”میں تم سے کہنا بھول گیا تھا جب تم بازار گئے تھے تو یہ حضرت آئے تھے تم سے ملنے۔ تمہارے تمام دوستوں کے گھر تم کو ڈھونڈھ چکے ہیں۔ آؤ خدا بخش بابا۔ آ گئے ہیں تمہارے مسعود میاں۔“

مسعود نے بھی اٹھ کر خدا بخش کو سہارا دے کر کمرے میں لاتے ہوئے کہا۔ ”کمال کر دیا بابا۔ آخر مجھ کو ڈھونڈھ ہی نکالا تم نے۔“

خدا بخش نے ایک مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کمال میں نے کر دیا یا آپ نے۔ کمال کیا ہے کہ چلتے بنے وہاں سے اور مجھ سے بھی نہ کہا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر آپ مجھ کو کس پر چھوڑ کر آئے ہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”بابا میں خود تو نہیں آیا ہوں نکالا گیا ہوں۔ اجمل کے ہاتھوں نکلوایا گیا ہوں۔“

خدا بخش نے منہ بنا کر کہا۔ ”اجمل؟ اب کیوں مجھ سے اول فول

بکوائیں گے۔ یہ سب اسی مردود کا تو کیا دھرا ہے۔ وہ تو اسی دن سے اس فکر میں تھا کہ آپ کا پتا کاٹ دے جب سے بیگم صاحبہ نے حساب کتاب دیکھنا آپ کے سپرد کیا تھا۔"

مسعود نے کہا۔ "نہیں بابا میں اس پر بھی الزام نہیں رکھتا وہ تو صورت ہی ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ بیگم صاحبہ نے جانے کیا کی کیا سمجھیں۔"

خدا بخش نے کہا۔ "وہ سب مجھے پتہ ہے۔ آپ کے اور نازلی بی بی کے ایسے قصے سنائے جا رہے ہیں آج کل کہ میں کیا کہوں۔"

مسعود نے کہا۔ "خیر یہ قصے تو اس وقت تک چلتے ہی رہیں گے جب تک کہ میرے ہاتھوں نازلی اپنے گھر کی نہیں ہو جاتی۔ وقت آنے پر خود ہی سب کے منہ بند ہو جائیں گے اور میں بیگم صاحبہ سے کہہ ہی چکا ہوں کہ اس وقت آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں اس پر آپ کو ایک نہ ایک دن انتہائی شرمندگی بھی ہوگی۔ مجھے خیر کسی اور سے مطلب نہیں۔ میں تو صرف سعدیہ کا ردّعمل معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

خدا بخش نے بڑی سادگی سے پوچھا۔ "کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

مسعود نے کہا۔ "ردّعمل یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ سعدیہ پر اس تمام قصے کا کیا اثر ہوا۔"

خدا بخش نے مسکرا کر کہا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ یہ سوال آپ سب سے پہلے پوچھیں گے۔ نہ جانے آپ نے اتنی دیر تک ضبط کیسے کیا۔ لیجیے وہ بھی آ گئیں نازلی بی بی۔ سلام نازلی بی بی۔"

نازلی نے بہت خوش ہو کر کہا۔ "ارے خدا بخش یہ تم کیسے آ گئے۔ بھائی جان کو پہلے ہی خیال تھا کہ یہاں سب سے پہلے تم ہی آؤ گے۔"

خدا بخش نے کہا۔ "بی بی میں تو اسی دن آتا مگر آپ دونوں ایسے غائب ہوئے کہ مجھے پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گئے اور میں کہاں ڈھونڈھوں۔"

مسعود نے نازلی سے کہا۔ "نازلی میں ان سے پوچھ رہا تھا کہ اور سب نے تو ہم دونوں کے متعلق نہ جانے کیا کیا افسانے گھڑ رکھے ہوں گے۔ مگر سعدیہ کا کیا رنگ ہے؟"

نازلی نے کہا۔ "خیر وہ ایسی نا سمجھ نہیں ہیں کہ وہ بھی اس رو میں بہہ جائیں۔"

خدا بخش نے کہا۔ "خیر یہ تو نہ کہیے۔ عورت بڑی بدگمان ہوتی ہے اور آپ نے وہ مثل سنی ہوگی کہ ایک محبت ہزار بدگمانیاں۔ ان پر بہت سخت اثر تھا۔ جس شام آپ دونوں آئے ہیں اس کی صبح وہ سب کے ساتھ چائے پر بھی شریک نہ تھیں۔ میں خود ہی ان کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں گیا تھا تو چہرے پر ہلدی پھری ہوئی تھی۔ آنکھیں ڈگر ڈگر کر رہی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر نیند نہیں آئی ہے۔ ہو تو بچ بچ بیاری معلوم ہوتی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر نیند نہیں آئی ہے۔ وہ تو بچ بچ بیاری معلوم ہوتی تھیں۔"

مسعود نے کہا۔ "خیر اس کی وجہ تو محض یہ صدمہ ہو سکتا ہے کہ میں وہاں سے اس بے عزتی کے ساتھ نکالا گیا ہوں۔"

خدا بخش نے کہا۔ "جی نہیں آپ کو تو معلوم ہے کہ سعدیہ بی بی مجھ سے کوئی بات کبھی نہیں چھپاتیں اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے واقعی ان کو گود میں کھلایا ہے۔ بہر حال جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو موقع غنیمت جان کر میں نے ان سے کہا کہ بی بی آپ خواہ مخواہ اپنی جان ہلکان کر رہی ہیں۔ جو کچھ یہاں کہا جا رہا ہے مجھ کو قیامت تک اس کا یقین نہیں آ سکتا۔"

مسعود نے کہا۔ "تو کیا سعدیہ کو ان الزاموں کا یقین تھا جو مجھ پر لگائے گئے ہیں؟"

خدا بخش نے کہا۔ ”اس کو یقین نہیں تو شک ضرور کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ میرے یہ کہنے پر انھوں نے کہا کہ بابا یقین مجھ کو بھی نہیں ہے۔ مگر پھر یہ آخر ہوا کیا۔ اتنا بڑا جھوٹ تو بیگم صاحبہ نہیں بول سکتیں کہ مسعود نازلی کو گلے لگائے کھڑے تھے اور نازلی رو رو کر کہہ رہی تھی کہ آنسو ہمیشہ غم ہی کے نہیں ہوتے۔ میں نے سعدیہ بی بی کو سمجھایا کہ جب تک میں مسعود میاں سے مل نہ لوں اس وقت تک آپ اپنا یہ حال نہ کریں اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ ضرور ان مفت خوروں کی ملی بھگت ہے جو اپنے راستے سے مسعود میاں کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں نے اس دن سے سعدیہ بی بی کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔“

نازلی نے بڑے تاثر سے کہا۔ ”ہائے بے چاری سعدیہ باجی۔“

مسعود نے کہا۔ ”بابا مجھ کو یہی شبہہ تھا کہ باوجود انتہائی سمجھدار ہونے کے کہیں سعدیہ اس حادثے کا کوئی ناگوار اثر نہ لے بیٹھے۔ آپ یہاں سے جا کر اس کو ہر طرح مطمئن کر دیجئے گا۔“

نازلی نے کہا۔ ”جی نہیں بلکہ میں ایک پرچہ لکھے دیتی ہوں۔ وہ آپ کسی طرح ان تک پہنچا دیجئے گا۔“

مسعود نے کہا۔ ”یعنی تم لکھو گی پرچہ۔ وہ کیا؟“

نازلی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”وہ میں ابھی آپ کو لکھ کر دکھائے دیتی ہوں۔ وہ سوائے میرے پرچے کے اور کسی صورت سے مطمئن نہ ہو سکیں گے۔“

نازلی تو پرچہ لکھنے چلی گئی۔ مسعود برابر خدا بخش کو سمجھاتے رہے کہ میرے چلے آنے کے بعد سعدیہ کی شدید دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ وہ میری موجودگی کی وجہ سے اپنے میں ایک طاقت محسوس کرتی تھی اور اب اس کو ناجنسوں کے نرغے میں تنہائی کا شدید احساس ہوگا۔ وہ خدا بخش سے باتیں ہی کر رہا تھا کہ نازلی نے یہ پرچہ لا کر دیا۔

”میرے پیارے بھیا نے مجھ کو بہن بنانے کی کتنی بڑی قیمت ادا کی ہے کہ وہ اس سے بھی دور ہیں جسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کسی صورت سے کبھی آ سکو۔“ مسعود نے یہ پرچہ پڑھ کر مسکراتے ہوئے خدا بخش کے حوالے کر دیا اور وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

بیگم صاحبہ کے گھر میں اب سولہ آنے اجمل کا راج تھا۔ بلکہ وہ کمرہ جس میں مسعود رہتا تھا اب اجمل ہی کے پاس تھا۔ اس لیے کہ اجمل کے قبضے میں جو کمرا پہلے تھا اس سے ملا ہوا غسل خانہ کوئی نہ تھا۔ اور مسعود والا کمرا علاوہ بڑا ہونے کے اس اعتبار سے بھی اچھا تھا کہ نہایت صاف ستھرا غسل خانہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ فرشی قالین بھی شاندار تھا۔ مگر اجمل کو ہر وقت دھڑکہ یہی لگا ہوا تھا کہ کہیں بیگم صاحبہ مسعود کو معاف کر کے پھر نہ بلا لیں اور جو منصب اب اس کو حاصل ہو گیا ہے کہیں اس سے چھن نہ جائے۔ اس کو اب یقین کامل تھا کہ جس شہناز کو وہ اب تک مسعود کے لیے تیار کر رہی تھیں مسعود کے جانے کے بعد اب وہ بھی اسی کے حصے میں آئے گی۔ مگر دل اس کا اب بھی یہ چاہتا تھا کہ کاش شہناز کی جگہ سعدیہ ہوتی۔ وہ سعدیہ کے لیے اب بھی اپنے دل میں ایک طلب پاتا تھا۔ مگر اپنی اس طلب کے اظہار سے اب وہ اور بھی ڈر گیا تھا کہ خود اپنی خواہش کے مطابق محبت کرنے کی جو سزا مسعود کو بھگتنا پڑی ہے وہی حشر اس کو بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے یہ اختیار بھی بیگم صاحبہ کو دے رکھا تھا کہ وہ اس کی طرف سے محبت بھی کر سکتی ہیں اور اس کے لیے جس کو چاہے پسند کر سکتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اُسے معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ کی منتخب کی ہوئی لڑکی تنہا اس کے حصے میں نہ آئے گی۔ بلکہ اپنے ساتھ بیگم صاحبہ کی دولت، بیگم صاحبہ کا اعتماد اور بیگم صاحبہ کی خوشنودی بھی لائے گی۔ اور کیا عجب ہے کہ یہی خوشنودی اس حد تک بڑھ جائے کہ

اس بے شمار دولت کا وارث بھی اسی کو بنا دے۔ حالانکہ وہ بُرے دنوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ انتظام تو کر ہی چکا تھا۔ اس لیے کے اُسے معلوم تھا کہ اس دربار کا کوئی اعتبار نہیں کہ خدا جانے کب کوئی دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا جائے۔ چنانچہ مسعود ایسے منہ چڑھے کو جب منہ کی کھانا پڑی تو وہ کس کھیت کی مولی ہے۔ مگر مسعود بیوقوف تھا کہ اس نے یہاں رہ کر اپنی جڑیں مضبوط نہ کیں اور وہ عاقبت اندیش ہے کہ اس نے اپنے دور ابتلا کے لیے بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کر رکھا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ ہے اور اس تبدیلی کو سب ہی نے محسوس کیا ہے کہ جب سے مسعود گیا ہے اجمل کچھ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ اور مدبر بن گیا ہے۔ نہ اب وہ بات بات پر بے تکے شعر ہیں نہ وہ خواہ مخواہ کی ہنسی۔ بلکہ وہ ہر وقت کسی گہری فکر میں رہتا تھا اور وہ فکر صرف یہی تھی کہ کہیں مسعود پھر واپس نہ آ جائے۔ وہ طرح طرح سے مسعود کی واپسی کے امکانات ختم کرانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی اس نے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر چلایا۔

”پوچھنا یہ تھا کہ اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو مسعود صاحب کے کپڑوں کی الماری اس کمرے سے ہٹوا کر اپنی الماری کے لیے جگہ نکال لوں؟“

بیگم صاحبہ نے غصے سے کہا۔ ”مسعود کے کپڑوں کی الماری؟ گویا بڑی مسعود کی کمائی کے کپڑے ہیں وہ۔ کون کہتا ہے اس کو مسعود کے کپڑوں کی الماری۔ وہ اب تمہاری ہے اور اس کے اندر جو کپڑے ہیں وہ سب تمہارے ہیں۔ جو تمہارے کام کے نہ ہوں وہ نوکروں کو دے دو اور جو خود استعمال کر سکتے ہو وہ استعمال کرو۔“

اجمل نے بڑی خطرناک معصومیت کے ساتھ کہا۔ ”مگر آپ نے تو فرمایا تھا کہ جو چیزیں میں کسی کو دے دیتی ہوں وہ واپس نہیں لیتی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”طریقہ تو میرا یہی ہے مگر جب وہ کچھ نہیں لے گیا ہے تو

اب یہاں اس کا کچھ نہیں ہے۔ اب نہ سنوں میں کسی چیز کے متعلق کہ یہ مسعود کی ہے۔ چھوٹے گاؤں سے ناطہ ہی کیا اور اس چڑیل نازلی کی بکس وغیرہ بھی کھول کر تمام کپڑے جوتے اور دوسری چیزیں لڑکیوں میں تقسیم کردو۔ اور جو زیور ہو وہ سعدیہ سے کہو کہ احتیاط سے رکھ لے۔''

اجمل نے بات پکی کرنے کے لیے کہا۔ ''اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات عرض کروں کہ ابھی تو آپ کو غصہ ہے۔ یہ قصہ بھی تازہ ہے۔ ممکن ہے چند دن کے بعد آپ کو معاف کرنا پڑیں ان کے قصور اور وہ معاف کرالیں آپ سے۔''

بیگم صاحبہ نے فیصلہ کن انداز سے کہا۔ ''میرے یہاں کا دستور تھوکے ہوئے کو چاٹنا نہیں اور نہ ایسے شہدوں لچوں کی میرے گھر میں جگہ ہے۔ احسان فراموشی تو دیکھو کہ میں نے ان کو خاک سے پاک کیا اور میرے ہی سامنے وہ مقابلے کے لیے ڈٹ گیا تھا کہ میں نے اس کی چہیتی کے طمانچہ کیوں مارا۔''

اجمل نے کہا۔ ''اس وقت تو ان کے تیور واقعی ایسے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو بہت سنبھالا ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا کہ آنتیں ڈھیر کردوں وہیں پر۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''تمہارے اور اس کے کپڑے ایک ہی ناپ کے تو ہوتے تھے تم کو تو کوئی تبدیلی کرانے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ مزے سے پہنو اس کے سوٹ۔ ایک سے ایک قیمتی سوٹ میں نے اس کے لیے سلوایا تھا۔ وہ ڈریس سوٹ تو ابھی اس نے پہنا بھی نہیں ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو درجنوں تو جوتے ہی ہوں گے۔''

اجمل نے کہا۔ ''جی ہاں ویسے تو ان کے پاس کافی سامان تھا۔ اگر ساتھ لے جاتے تو برسوں یہی کپڑے کام دیتے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''اب پھریں گے جوتیاں چٹخاتے تو پتہ چلے گا۔ کر گئے جتنی لاٹ صاحبی کرنا تھی۔ بہر حال تم کھول لو الماری کو اور ٹھاٹھ سے استعمال کرو ہر چیز۔ اب ان میں کسی چیز پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نہیں چاہتی کہ ان دونوں کا میرے سامنے نام بھی لیا جائے۔ جاؤ جا کر اس کتیا کا سامان کھلواؤ اور زیور سعدیہ کے حوالے کرو۔ بلکہ اسی سے کہو وہ اس کے کپڑے لڑکیوں میں تقسیم کردے۔''

یہ احکام لے کر جس وقت اجمل سعدیہ کے کمرے میں پہنچا ہے وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ کئی دن کے بعد آج اس کے چہرے پر تازگی بھی تھی اور بشاشت بھی۔ مگر اجمل کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر پھر بل پڑ گئے اور اُس نے اپنی تحریر کا غذ کو الٹ کر چھپاتے ہوئے کہا۔

''جناب کو اتنے دن آدمیوں میں رہنے کے بعد بھی یہ تمیز نہیں آئی کہ کسی لڑکی کے کمرے میں بغیر اجازت لیے نہیں آنا چاہیے۔''

اجمل نے کہا۔ ''میں خود نہیں آیا ہوں بلکہ بھیجا گیا ہوں۔ بیگم صاحبہ کا پیغام لے کر آیا ہوں ورنہ کیا مجھے معلوم نہیں ہے کہ تم تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتیں مجھ سے۔ اور میرا یہ حال ہے کہ بخدا اس وقت بھی میں نے بیگم صاحبہ سے یہی کہا کہ نازلی کے کپڑے خواہ آپ کسی کو دے دیں مگر زیور سوائے سعدیہ کے کسی کو نہ ملنا چاہئیں۔''

سعدیہ نے بڑے طنز سے کہا۔ ''جناب کا بے حد شکریہ۔ مگر اس کا بھی آپ کو کوئی حق نہ تھا کہ اپنی قسم کا گھٹیا آپ مجھ کو بھی سمجھ لیتے۔''

اجمل نے کہا۔ ''گھٹیا؟ کیا مطلب گھٹیا سے؟ معلوم بھی ہے کہ نازلی کے پاس دس بارہ ہزار سے کم کے زیور نہ ہوں گے۔ ڈھائی ہزار کا تو وہی سیٹ ہے جو ابھی پچھلی مئی میں خریدا گیا ہے۔'' سعدیہ نے واقعی تنگ آ کر کہا۔ ''خدا کے لیے یہ رکیک باتیں کرنے آپ کیوں نازل ہوگئے ہیں۔ آپ کو وہ زیور ایسے ہی قیمتی معلوم ہو رہے

ہیں تو جا کر قبضہ کر لیجیے نا ان پر۔“

اجمل نے کہا۔ ”مگر اب تو بیگم صاحبہ کہہ چکی ہیں اور میری اس تجویز کو مان گئی ہیں کہ زیور تم ہی کو ملیں گے۔“

سعدیہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”بہتر ہے۔ میں خود بیگم صاحبہ سے کہے دیتی ہوں کہ مجھ کو نہ ان زیورں کی ضرورت ہے نہ میں نازلی کے زیور استعمال کر سکتی ہوں۔“

اجمل نے کہا۔ ”یہ تو ٹھیک ہے کہ ایسی بے ہودہ لڑکی کے زیور تمہارے لیے باعثِ ننگ ہیں مگر......“

سعدیہ نے بات کاٹ کر کہا۔ ”خیر وہ جیسی بیہودہ تھی اس کو تو خدا ہی جانتا ہے۔ مگر بہتر ہوتا کہ آپ خود کبھی اپنا اندازہ بھی کر لیتے کہ خود کیا ہیں۔ اب آپ جا سکتے ہیں اور آئندہ امید ہے کہ آپ بغیر اجازت کے کم سے کم میرے کمرے میں داخل نہ ہوں گے۔“

اجمل تو سعدیہ کے تیور دیکھ کر کچھ اور کہنے کی جرأت بھی نہ کر سکے اور خاموش چلے گئے مگر تھوڑی دیر کے لیے سعدیہ کا موڈ ایسا خراب کر گئے کہ وہ پھر نڈھال ہو کر بستر پر جا گری۔ مگر جب کچھ دیر بعد خدا بخش نے دروازے پر دستک دے کر اس کو پکارا۔ وہ جلدی سے اُٹھی اور وہی تحریر جو اجمل سے چھپائی تھی اس نے جلدی جلدی مکمل کر کے خدا بخش کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ نازلی کو دے دیجئے گا بابا اور ذرا احتیاط سے رکھئے گا اس خط کو۔ اس گھر میں کسی کا کوئی بھروسہ نہیں۔“

خدا بخش نے مسکرا کر کہا۔ ”ہاں ہاں میں جانتا ہوں سب کچھ۔ تم اطمینان رکھو بی بی۔“ اور یہ کہہ کر وہ لفافہ جیب میں رکھ کر چلا گیا۔

ریاض کے گھر میں آج کل نازلی کی حکومت تھی۔ اس نے اتنے ہی دنوں میں ریاض کی والدہ اور زہرہ کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ دونوں اسی کے گن گاتی تھیں اور اس کے گھر کا انتظام ایسا سنبھالا تھا کہ ریاض کی والدہ کو تو اب پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ ہر جھگڑے سے فارغ ہو کر اللہ اللہ کرنے کی رہ گئی تھیں اور اٹھتے بیٹھتے نازلی کے لیے ان کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ نازلی نے واقعی گھر کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ زہرہ یا ریاض کی والدہ بدسلیقہ تھیں البتہ سلیقہ کسی میں کم ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ۔ گھر اب بھی وہی تھا مگر یہ جو صوفوں پر حسین وجمیل کشن نظر آنے لگے تھے یہ جو میزوں پر دل آویز میز پوش آ گئے تھے۔ یہ جو مسہریوں پر خوش نما چادریں اور پر تکلف تکیوں کے غلاف دکھائی دے رہے تھے یہ سب نازلی ہی کے سلیقے کے آئینہ دار تھے۔ خود ریاض حیران تھا کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہو گیا وہ جب گھر میں قدم رکھتا اس کو ایک نہ ایک نئی چیز ضرور نظر آتی اور وہ دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ آج بھی جب مسعود اور وہ دونوں کرکٹ میچ دیکھ کر گھر واپس آئے اور چائے پینے اندر گئے تو ریاض کی والدہ کی مسہری کے سامنے اور سنگھار میز کے سامنے دو نہایت خوبصورت چھوٹے چھوٹے قالین دیکھ کر ریاض ٹھٹکا اور اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

”یہ کہاں سے آئے قالین؟“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”کیوں؟ اچھے نہیں ہیں بکنے آ گئے تھے۔ اور سستے تھے میں نے خرید لیے۔“

نازلی نے کہا۔ ”خیر ایسے زیادہ سستے بھی نہیں ہیں۔ مگر ہیں ضرور خوبصورت۔“

ریاض نے کہا۔ ”کچھ معلوم تو ہو کتنے میں ہوا سودا۔“

مسعود نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اگر تین سو کے اندر دونوں مل گئے ہیں تو برے نہیں ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”واہ بیٹا ذرا غور سے دیکھو ایرانی قالین ہیں اور اب میں بتاتی ہوں دو سو میں ہیں دونوں۔“

مسعود نے کہا۔ ”پھر تو بہت ہی اچھے ہیں۔“

ریاض نے کہا۔ ”اچھے تو ہیں مگر خراب ہو جائیں گے اس کمرے میں۔ ان میں سے ایک جانا چاہیئے میرے دفتر کے کمرے میں، اور دوسرا گول کمرے کی انگیٹھی کے سامنے ٹھیک رہے گا۔“

نازلی نے کہا۔ ”جی نہیں یہ دونوں اسی کمرے کے لیے خریدے گئے ہیں۔“

ریاض نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ طے ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں یہاں کے لیے باہر سے دوسرے قالین لا دیتا۔“

ریاض کی والدہ نے ہنس کر کہا۔ ”اتنے پسند ہیں تم کو کہ باہر کے قالینوں سے بدلنے کو تیار ہو۔ حالانکہ یہ اسی بڑے قالین کے دو ٹکڑے ہیں جس کو تم نے ردّی کے اسٹور میں ڈلوا دیا تھا۔“

ریاض نے جھک کر قالین دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ناممکن ہے۔ یہ وہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”ہوا اس طرح سکتا ہے کہ میری سگھڑ بیٹی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ آج چار دن سے اسی کو ٹھیک کر رہی تھی۔ وہ کاٹا گیا اس کا پھٹا اور گھسا ہو حصہ نکالا گیا۔ پھر اس کو طرح طرح سے دھویا گیا۔ جب وہ دھل کر خشک ہو گیا تو اس کے یہ دو ٹکڑے نکال کر ان کے لیے جھالریں تیار کی گئیں۔ ایک جائے نماز نکالی جو وہ بچھی ہے نماز کی چوکی پر، اور یہ دو قالین اچھے سے نکال لیے گئے۔“

ریاض نے بغور پھر ان قالینوں کو دیکھ کر اور جائے نماز پر ہاتھ پھیر پھیر کر کہا۔ ”یہ تو واقعی کمال ہی کر دیا۔ کتنے لاجواب قالین نکل آئے ہیں یہ۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ لڑکی اللہ رکھے جس گھر میں جائے گی آئینہ بنا کر رکھ دے گی اس گھر کو۔ ہر وقت میرے تو دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کوئی قدر دان ملے اور یہ اپنی زندگی کا سکھ دیکھے۔“

نازلی اپنی اس تعریف کی تاب نہ لا کر دونوں کے لیے چائے کا بندوبست کرنے کے بہانے سے یہ کہہ کر ٹل گئی کہ میں چائے لاتی ہوں یہیں اور اُس کی اس عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ریاض کی والدہ نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کر کے ڈلی، سروتہ سنبھالتے ہوئے گویا پوری تیاری کے ساتھ مسعود کو مخاطب کیا۔

”مسعود میاں میں تو کہتی ہوں کہ تم اپنی یہ بہن مجھے دے دو۔ اگر تم اس کو چھوٹا منہ بڑی بات نہ سمجھو تو میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی اگر نازلی ایسی مجھ کو بہو مل جائے۔“

مسعود نے کہا۔ ”خالہ جان میں بھی آپ ہی کا ہوں اور نازلی بھی آپ ہی کی ہے۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ اس قسم کے معاملات ہم یا آپ طے کریں۔ اب تو ان دونوں کی مرضی مقدم سمجھی جاتی ہے جن کو نباہ کرنا ہے۔ بہر حال میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس تجویز کو ریاض اور نازلی

بھی پسند کرلیں۔"

ریاض کی والدہ نے کہا یہ تم نے ٹھیک کہا۔" اب لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو اپنے لیے پسند کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ خیر ریاض کے متعلق تو میں جانتی ہوں کہ ان کو اس سے اچھی دلہن نہیں مل سکتی اور اگر یہ اس کو بھی پسند نہ کریں تو ان کے لیے عرش ہی سے کوئی تارا ٹوٹ کر گرے تو گرے، اور تو مجھے کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اب یہ بیٹھے ہوئے ہیں ان سے خود ہی پوچھ لو۔"

ریاض نے کہا۔" آپ کو تو معلوم ہے امّی جان کہ میں کس قدر شرمیلا ہوں۔ میں اگر اس قسم کی باتوں میں بولا تو آنکھوں کا پانی مرجائے گا۔ مونہہ پر ٹھیکرے برسنے لگیں گے۔"

ریاض کی والدہ نے ہنس کر کہا۔" چل ہٹ۔ کیا خالہ اماؤں کی سی باتیں شروع کردیں۔ میں مذاق نہیں کررہی ہوں۔ سچ مچ پوچھ رہی ہوں۔"

ریاض نے کہا۔" امی جان میری مرضی اور میری پسند کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن صرف میری پسند سے کیا ہوسکتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک صاحب بغلیں بجاتے پھرتے تھے کہ میری شادی شہزادی سے ہورہی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے تو انھوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ آدھے کے قریب تو بات پکی ہوچکی ہے۔ یعنی میں بالکل راضی ہوں۔ بس ان کا راضی ہونا باقی ہے۔"

زہرہ نے ہنس کر کہا۔" آپ صرف آدھی بات کیجئے۔ بقیہ آدھی بات کی ذمہ داری میں لیتی ہوں۔ ان سے پوچھ لوں گی۔"

ریاض نے کہا۔" میرے خیال میں تو وہ نہ ایسی فاتر العقل ہیں نہ خدانخواستہ ضعفِ بصر میں مبتلا ہیں کہ وہ میرے متعلق پسندیدگی کا اظہار کردیں گی۔"

مسعود نے منہ بنا کر کہا۔" لاحول ولاقوۃ۔ کسرِ نفی کرنا بھی نہ آئی کس بھونڈے

طریقے پر جناب خاکساری فرما رہے ہیں۔"

اس گفتگو کو نازلی نے آکر ادھورا ہی رہنے دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

" سعدیہ باجی کا خط ہے۔ خدا بخش آئے ہیں۔"

مسعود نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔" دیکھوں تو سہی۔"

نازلی نے ہاتھ کھینچ کر کہا۔" سبحان اللہ میرے نام خط میں کیوں دکھاؤں۔ ایسا ہی شوق ہے تو اپنے نام خط منگوایئے۔" اور پھر خود ہی لفافہ دیتے ہوئے کہا۔" نہیں بھئی میں اپنے بھیا کو ترسانا نہیں چاہتی، پڑھ لیجیے۔"

مسعود نے لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا۔

" میری نازو۔ تمہاری ان دو سطروں نے میری دنیا بدل دی۔ جی چاہتا ہے کہ تمہارے یہ الفاظ چیخ چیخ کر ان سب کو سناؤں جو دو شریف روحوں پر الزام تراشنے میں زمین آسمان ایک کیے ہوئے ہیں۔ خوش نصیب ہو تم اور تمہارے بھائی جان کے وہ ان فضاؤں سے دور ہوگئے۔ میں خود تم سے ملنے کے لیے جس قدر بے قرار ہوں اس کا اندازہ تم خود کرسکتی ہو۔ اور مجھے امید ہے کہ جلد تم سے ملوں گی۔ تم مجھ کو اپنے سے دور نہ سمجھو میں اس فاصلے کے باوجود ہر وقت تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ تمہاری سعدیہ۔"

مسعود نے یہ خط پڑھ کر نازلی کو دیتے ہوئے کہا۔" میں خدا بخش کے پاس جارہا ہوں، چائے وہیں بھیج دو اور خود بھی آجاؤ خط کا جواب بھی تو دینا ہے۔" مسعود یہ کہہ کر باہر آگیا۔

ریاض کی والدہ نے یہ ذکر یونہی نہیں چھیڑا تھا بلکہ وہ تو اب دن رات اسی فکر میں تھیں کہ کسی طرح یہ نسبت ہو جائے۔ زہرہ نے بھی نازلی سے بات کر لی تھی اور مسعود کو اس کا یہ جواب دے دیا تھا کہ میری خوشی وہی ہے جو میرے بھائی جان کی خوشی ہو۔ اگر میرے بھائی جان اسی سے خوش ہو سکتے ہیں تو میں ان کو خوش کرنے کے اس ذریعے کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھوں گی مگر مسعود نے یہ جواب سن کر بھی زہرہ سے یہی کہا کہ میں اس جواب پر خوش تو بہت ہوا ہوں مگر مطمئن نہیں ہوا ہوں۔ اگر وہ صرف مجھ کو خوش کرنے کے لیے راضی ہو رہی ہے تو اس میں ایک پہلو ایثار کا بھی نکلتا ہے۔ میں ان کے ایثار کی بھی قدر کرتا ہوں مگر ان تک میرے الفاظ بھی پہنچا دو کہ اگر وہ اس نسبت سے انکار کر دیں تو بھی میں ان سے اسی طرح خوش رہوں گا جس طرح اس نسبت پر راضی ہونے سے خوش ہوں۔ دراصل میں اپنی بہن کی شادی ایک فراخ دل بھائی کی طرح کرنا چاہتا ہوں اور اس شخص سے کرنا چاہتا ہوں جس کو وہ میرے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پسند کرے اور جس سے وہ اس حد تک متاثر ہو کہ اگر میں بھی نہ چاہوں تو بھی وہ مجھ کو مجبور کر دے کہ میں اس کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دوں۔ میں اس کی اسی شادی کو کامیاب سمجھوں گا جس کے لیے وہ اس حد تک تیار ہو کہ اگر ضرورت پڑے تو میری ناخوشی بھی خرید لے مگر شادی وہیں کرے۔

زہرہ نے یہ سب کچھ سمجھ کر کہا۔ ”مسعود بھائی یہ آپ کی زبردستی ہے۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ نازلی کے لیے آپ کیا ہیں۔ کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد بتا چکی ہے کہ آپ کو خوش رکھے۔ اس کو آپ سے زیادہ دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”پاگل لڑکی۔ اسی لیے تو میں بھی چاہتا ہوں کہ میری یہ چہیتی بہن میری خوشی پر بھینٹ نہ چڑھے بلکہ اپنی زندگی کا کوئی ایسا ساتھی منتخب کرے جو اس کو مجھ سے بھی زیادہ عزیز ہو۔“

زہرہ نے کہا۔ ”یہ ناممکن ہے ممکن ہے۔ کہ شادی کے بعد اس کو اپنا شوہر آپ سے زیادہ عزیز ہو جائے۔ مگر اس وقت تو یہ تصور بھی اس کے لیے محال ہے۔ البتہ اتنا اندازہ مجھ کو بھی ہوا ہے کہ وہ بھائی جان کو ناپسند نہیں کرتی۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ اس کو آپ کی خوشی بھی اسی لیے کہہ رہی ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ آپ اس کی مرضی کو اسی کے احساس سے سمجھتے ہیں۔ اگر بھائی جان اس کو پسند نہ ہوتے تو اس کی گفتگو کا یہ انداز نہ ہوتا۔ ایک بے بسی ایک بیچارگی اور ایک اضمحلال ہوتا اس کے بیان میں۔ مگر اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ آپ کے حسن انتخاب کی قائل ہے وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اور بتاؤں میں آپ کو، بلکہ آپ خود جا کر دیکھ لیجیے منٹل پیس پر بھائی جان کی تصویر کو۔ جس کا فریم اس نے کل ہی بدلا ہے۔ سادہ فریم سے نکال کر وہ تصویر چاندی کے اس فریم میں لگائی ہے۔ جس میں ایک رنگین قلمی تصویریں لگی ہوئی تھی۔ اور سنیے آج ہی صبح چائے بنا کر پیالی میرے سامنے کھسکا دی اور اشارے سے کہا کہ بھائی جان کو دے دوں۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا اس کو ناپسندیدگی کہہ سکتے ہیں۔“

مسعود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کمال ہے صاحب۔ حد کر دی تم نے بھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اتنا گہرا مطالعہ کر لیتی ہو۔ اور اتنی باریک باتوں سے بھی نہایت اہم نتیجے نکال لیتی ہو۔ یعنی دراصل اتنی بے وقوف نہیں ہو جتنی نظر آتی ہو۔“

زہرہ نے بچوں کی طرح سے برامانتے ہوئے کہا۔ ''لیجیے اب میں بے وقوف ہوگئی۔ جب قائل ہوگئے اور بات بنائے نہ بنی تو مجھ کو بیوقوف کہہ دیا۔''

مسعود نے کہا۔ ''یہی تو بے وقوفی ہے کہ میں نے بے وقوف نہیں کہا اور تم نے بے وقوف بن کر دکھا دیا۔ عزیزہ محترمہ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تم بیوقوف دراصل ہو نہیں بلکہ خواہ مخواہ نظر آتی ہو۔ میں تو خود تمہاری عقل مندی اور سوجھ بوجھ کی تعریف کر رہا تھا۔''

اسی وقت ریاض کے ساتھ شہناز کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر مسعود حیران ہوگیا۔ اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''اخاہ شہناز بیگم ہیں۔''

شہناز نے بڑے طنز سے کہا۔ ''تو گویا آج کل آپ یہاں دھرے ہوئے ہیں۔''

مسعود نے کہا'' واقعہ تو کچھ یہی ہے۔ مگر کیا آپ کو کچھ اعتراض ہے؟''

شہناز نے کہا۔ ''مجھ کو بھلا کیا اعتراض ہوتا مگر حیرت ضرور ہے کہ اپنی رسوائیوں سے اس قدر قریب رہنا آپ نے کیونکر پسند فرمایا۔''

مسعود نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اس تلخ بات کا نہایت شیریں جواب دیا۔ ''میں نے یہی سوچا کہ دور جاتا ہوں تو لوگ یہی کہیں گے کہ بے حیائی کی رسی دراز ہوگئی ہوگی۔''

ریاض نے بات کا رخ بدلنا چاہا۔ ''بھئی یہ کیا واہیات باتیں شروع ہوگئیں۔''

شہناز نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے ریاض صاحب کہ میری غیر متوقع آمد آپ کے مہمان عزیز کو سخت ناگوار ہوئی۔''

مسعود نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ ''خواہ مخواہ کی باتیں کر رہی ہو شہناز۔ مجھے بھلا تمہاری موجودگی کیوں ناگوار ہوتی۔ تم اپنے کو بلاوجہ فریق بنا رہی ہو۔''

ریاض نے پھر بات ٹالنا چاہی۔ ''خیر چھوڑو یہ بحث۔ کہو شہناز چائے چلے گی، یا کافی۔''

شہناز نے بدستور ترش روئی سے کہا۔ ''جی شکریہ۔ دونوں میں سے کسی کا موڈ نہیں ہے۔''

مسعود نے کہا۔ '' حالانکہ موڈ درست کرنے کے لیے یہ سوال کیا گیا تھا۔''

شہناز نے اس بات کو جواب دینے کے بجائے براہ راست حملہ کیا۔ ''کب رچا رہے ہیں آپ اپنی شادی؟''

مسعود نے اس حملے کا رُخ سمجھتے ہوئے بھی کہا۔ ''شادی بھی کوئی رچایا کرتا ہے۔ یہ تو ایک ناگہانی سی چیز ہے جب اس کا جی چاہتا ہے خود ہی رچ جایا کرتی ہے۔ مگر میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو میری شادی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

شہناز نے کہا۔ ''لیجیے اس شادی سے بھی دلچسپی نہ ہوگی تو پھر کس سے ہوگی۔ عہد حاضر میں بھی آپ نے سوئمبر کی رسم ادا کر کے دکھا دی۔ کتنا بڑا معرکہ سر کیا ہے اس شادی کے لیے۔''

مسعود نے اب سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہناز مجھ کو بیگم صاحبہ سے کوئی شکایت نہیں کہ وہ ایک غلط بات کو صحیح کیوں سمجھیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اجمل کی قسم کے لوگوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنی ہوئی ہیں۔ مجھ کو کسی اور پر بھی تعجب نہیں۔ مگر تم پر تعجب ضرور ہے کہ تم تو بہر حال تعلیم یافتہ ہو۔''

شہناز نے تقریباً منکتے ہوئے کہا۔ ''تعلیم یافتہ تو ضرور ہوں مگر مکتب غم دل میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔''

مسعود نے کہا۔ ”غالبؔ کی ترکیب استعمال کر کے تعلیم یافتہ اور خوش مذاق ہونے کا جو ثبوت تم نے دیا ہے اس پر مسرت ہوئی۔ مگر کیا تم بھی واقعی یہ سمجھتی ہو کہ مجھ پر جو الزام عائد کیے گئے ہیں وہ درست ہیں؟“

شہناز نے کہا۔ ”آپ سے تو امید نہ تھی، مگر ع

”عشق ازیں بسیار کرداست وکند“

مسعود نے کہا۔ ”خیر یوں تو وقت آنے پر سب ہی کو اس الزام طرازی پر شرمندہ ہونا پڑے گا۔ مگر میں چاہتا تھا کہ تم اس سے پہلے ہی عقل کے دروازے کھول کر اس شرمندگی سے اپنے کو بچا لو۔“

شہناز نے کہا۔ ”تو گویا یہ جھوٹ تھا۔ بہتر ہے ہوگا جھوٹ۔ مگر میں یہ نہیں مان سکتی کہ خود جناب کا دل اب تک سنسان پڑا ہے۔“

مسعود نے ایک تبسم کے ساتھ کہا۔ ”یہ میں نے کب کہا۔ یقیناً میرے دل کی آبادکاری ہو چکی ہے۔ مگر میں یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ دل کس نے الاٹ کرایا ہے۔ البتہ نازلی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ میری بہن ہے۔“

شہناز نے ایک بیہودہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اوہ بہن یہ تو لگاوٹ کی نہایت تھرڈ کلاس اور بازاری قسم ہے کہ محبوبہ کو بہن کا برقعہ اوڑھا دیا جائے۔ میں نے ایسی ایسی بہت سی بہنیں دیکھی ہیں۔“

مسعود نے اب ذرا سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر آپ کی گفتگو کا یہی انداز رہا تو شاید میں گفتگو جاری نہ رکھ سکوں۔“

شہناز نے کہا۔ ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں خود گفتگو جاری رکھنے کے لیے اتنی بے قرار نہیں ہوں۔“

ریاض نے پھر مداخلت کی۔ ”میرے خیال میں یہ بات ہی ختم کر دی جائے۔“

شہناز نے بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا۔ ”ریاض صاحب میں آپ کے مہمان محترم پر بار ہونا نہیں چاہتی۔ مجھے اجازت دیجئے۔“

مسعود نے اب رعایت برتنا مناسب نہ سمجھ کر کہا۔ ”آپ خواہ مخواہ اپنے کو اتنی اہمیت دے رہی ہیں کہ میں گویا آپ کے بار کا متحمل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ باور فرمائیے کہ میں نے آپ کی کسی بات کو کسی قسم کی کوئی اہمیت نہیں دی۔“

شہناز اب تاب نہ لا سکی اور ایک جھٹکے سے ساتھ اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ حیرت ہے کہ ریاض نے بھی نہ روکا۔

scanned by iqbalmt@onebox.com

مسعود ریاض کی والدہ کو تو مطمئن کر چکا تھا۔ مگر کوئی قطعی جواب دینے سے پہلے وہ یہ چاہتا تھا کہ نازلی سے براہ راست اس معاملے میں گفتگو کر لے۔ اور اس کو واقعی سمجھا دے کہ اس نسبت کی منظوری یا نامنظوری سے اس کی خوشی یا ناراضگی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اگر وہ اپنے دل میں ریاض کے لیے کوئی کشش نہیں پاتی یا ریاض کی طرف اپنے کو کھنچتا ہوا محسوس نہیں کرتی تو اس کو پورا حق ہے کہ وہ اور کسی سے نہ سہی خود اس سے صاف صاف کہہ دے، تا کہ یہ قصہ یہیں پر ختم کر دیا جائے۔ وہ دراصل یہ سمجھ رہا تھا کہ نازلی محض اس کو خوش کرنے کے لیے کہیں اپنی کسی خوشی کی قربانی تو نہیں دے رہی ہے۔ آخر آج اس نے نازلی سے صاف صاف باتیں کرنے کا قطعی ارادہ کر کے اس کو اس وقت گھیر لیا جب وہ خود اسی کی قمیص کے ٹوٹے ہوئے بٹن ٹانکنے کے لیے اس کے کمرے میں آئی تھی۔ مسعود نے بڑی محبت سے مخاطب کیا۔

”بھئی آج ہم اپنی بہن سے کچھ باتیں کریں گے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ان سرپھری لڑکیوں کا اعتبار کیا۔ نہ جانے کب یہ عقل کے دروازے کھلے رکھتی ہیں اور کب عقل کو مقفل کر کے باتیں کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔ اگر یہ وعدہ کرو اس وقت اپنے کو حماقت کے دورے میں مبتلا نہ کرو گی تو میں تم سے بات بھی کروں ورنہ تضیع اوقات سے کیا فائدہ۔“

نازلی نے ہنس کر کہا۔ ”خیر آپ کی سی عقل تو میں کہاں سے لاؤں گی۔ جتنی

جو کچھ بھی ہے وہ حاضر ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر خواہ مخواہ کی شرم بھی بیوقوفی کی ایک قسم ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ میری بہن اگر بے وقوف بھی ہے تو ایسی گھٹیا قسم کی بیوقوف ثابت نہ ہوگی۔“

نازلی نے جملہ پورا کیا۔ ”بلکہ اعلیٰ درجے کی بے وقوف ثابت ہوگی۔“

مسعود نے اطمینان کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”خیر شکر ہے معلوم ہو گیا کہ اس وقت عقل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا موقع غنیمت جان کر مجھ کو فوراً بات شروع کر دینا چاہیے۔ دیکھو بھئی نازلی۔ تم اس شرط پر میری بہن نہیں بنی ہو کہ اگر تم میری مرضی کے مطابق شادی نہ کرو تو یہ بہن بھائی کا رشتہ ختم، اور اگر کر لو تو یہ رشتہ قائم۔ بلکہ میں تم کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے اعتماد میں لے کر سچی بات مجھے بتا دو گی تو میں زیادہ ہی خوش ہوں گا۔ میری بہن، تو مجھ سے نہ کہے گی تو کس سے کہے گی کہ تیری اصل مرضی کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ریاض کے متعلق میری رائے بہت بلند ہے۔ میں اس کو تمہارے لیے معیاری شوہر سمجھتا ہوں۔ مگر میں تم سے وجہ بھی نہ پوچھوں گا اگر تم مجھ سے یہ کہہ دو کہ تم کو اس نسبت سے اختلاف ہے۔“

نازلی نے کئی تقاضوں کے بعد کہا۔ ”مجھ کو خاموش رہنے کا نہ سہی مگر اس کا حق تو ہے، کہ میں آپ سے اس بات کی شکایت کروں کہ آپ مجھ سے یہ باتیں کر ہی کیوں رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ میرے لیے وہی طے کر سکتے ہیں جو بہتر سے بہتر ہو۔“

مسعود نے کہا۔ ”پھر وہی میرا دخل۔ میں تم سے تمہاری رائے پوچھ رہا ہوں۔ میری پسند میری خوشی اور میری مرضی پر غور کیے بغیر تم اپنی آزادانہ رائے دو۔“

نازلی نے کہا۔ ”یہ میری آزادانہ رائے ہے کہ میں آپ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ سمجھتی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ میرا ایمان ہے کہ آپ میرے ذہن سے سوچتے ہیں اور میری نظر سے دیکھتے ہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”مگر میں تمہاری نظر سے دیکھنے اور تمہارے ذہن سے سمجھنے کی جگہ یہ چاہتا ہوں کہ تم خود بھی اپنی نظر اور اپنے ذہن سے کام لے کر مجھے بتادو۔“

نازلی نے کہا۔ ”میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آپ کی ہر بات کے متعلق مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرے دل کی آواز ہے ؏

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ”کہاں یاد تازہ کی ہے تم نے اجمل کی، یہ مصرعہ پڑھ کر۔ یہ آرٹ تو ختم ہے ان پر۔ بہر حال میں اس سے زیادہ تم کو خود اپنی آزادانہ رائے کے استعمال کا موقع نہیں دے سکتا۔ اور اب میں اس نتیجہ پر پہنچ رہا ہوں کہ گویا تم اس نسبت سے اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا آج ہی میں خالہ جان سے کہہ دوں گا کہ بات پکی ہوگئی، وہ اپنے انتظامات کریں بلکہ ہمارے بھی۔ ارے۔ سعدیہ۔“

مسعود کی نظر یکا یک باہر سعدیہ پر پڑی جو خدا بخش کے ساتھ اسی کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر ابھی مسعود اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ نازلی نے ایک جست لگا کر دروازہ کھول دیا اور پھر دوڑ کر اس بری طرح سعدیہ سے لپٹی ہے کہ وہ بیچاری گرتے گرتے بچی۔ خدا بخش کہتا ہی رہ گیا کہ اندر تو پہنچنے دیجئے ان کو۔ مسعود نے اس کو للکارا کہ یہ کیا واہیات ہے اندر لے آؤ ان کو۔ مگر وہاں سنتا کون تھا۔ وہ سعدیہ کو بھینچے ہوئے کھڑی تھی۔ آخر بمشکل تمام اسی طرح اس سے چمٹی ہوئی کمرے کے اندر آئی اور اب جو سعدیہ نے اس کا منہ دیکھا ہے تو آنسوؤں سے تر اور شدت

جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ سعدیہ نے بڑے پیار سے اس کے رخسار پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔ ”پگلی کہیں کی۔ لو بھلا یہ رونے کا کیا موقع تھا۔“

نازلی دوپٹے میں منہ چھپا کر بھاگی وہاں سے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ریاض کی والدہ اور زہرہ سب ہی کمرے میں آ موجود ہوئے۔ ریاض کی والدہ نے بڑی بوڑھیوں کی طرح صدقے قربان ہونا شروع کر دیا اور زہرہ کا بھی یہ عالم تھا کہ وہ بچھی جا رہی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر مسعود پر تو جیسے سکتے کا عالم طاری تھا۔ وہ بت بنا چپ بیٹھا تھا اور سعدیہ بھی باقی سب سے تو باتیں کر رہی تھی مگر بار بار مسعود کی طرف نگاہیں جا کر یوں ہی واپس آ جاتی تھیں۔ نازلی نے جواب منہ دھو کر آدمی بن چکی تھی۔ سعدیہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آج آپ کو موقع کیسے مل گیا یہاں آنے کا؟“

سعدیہ نے کہا۔ ”میں چوری سے نہیں آئی ہوں۔ بلکہ مجھ کو بھیجا گیا ہے کہ میں یہاں کے حالات کا اندازہ کر کے بیگم صاحبہ کو رپورٹ دوں کہ شہناز جو کچھ دیکھ گئی ہے وہ کس حد تک غلط یا صحیح ہے۔“ اب مسعود میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ بولے۔ ”مگر یہ تو معلوم ہو کہ شہناز نے کیا رپورٹ دی ہے۔“

سعدیہ نے مسعود کے اس سوال کا جواب نازلی کی طرف متوجہ ہو کر دیا۔ ”وہ رپورٹ تو یہ تھی کہ یہ دونوں مجرم اپنے کو بظاہر بہن بھائی بنائے ہوئے ریاض صاحب کے یہاں پناہ گزیں ہیں اور خود ریاض صاحب کی والدہ محترمہ کو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔“

ریاض کی والدہ نے صاف گوئی شروع کر دی۔ ”اے بیوی کی جھاڑو اس موئی پر۔ لو بھلا مجھے دال میں کیا کالا نظر آئے گا؟ اس نے اپنا ہی جیسا سمجھ رکھا ہے نازلی کو بھی شاید بیٹی یہ انگور کھٹے ہیں والا قصہ ہے۔ مسعود نے گھاس جو نہیں ڈالی تو یہ

جلے پھپھولے پھوڑے جا رہے ہیں۔ اب آ تو جائے اس گھر میں طبیعت صاف نہ کر دی ہو جب ہی کہنا۔''

عین اسی وقت ریاض نے کمرے میں داخل ہو کر نعرہ بلند کیا۔ ''اخاہ سعدیہ بہن۔ ارے بھئی آپ کب آئیں۔ خیر آئی ہوں گی آپ کبھی مگر خدا کرے جانے کے لیے نہ آئی ہوں۔''

زہرہ نے کہا۔ ''وہ تو ڈیوٹی پر آئی ہوئی ہیں۔ آپ کی سہیلی بی شہناز نے وہاں جا کر ایک ایک کی دس دس لگائی ہیں۔ لہٰذا اب سعدیہ بہن تحقیقات پر مامور کی گئی ہیں۔''

ریاض نے کہا۔ ''بے ہودہ لڑکی ہے وہ شہناز۔ مگر ان کو کچھ چائے کافی کے لیے بھی پوچھا؟''

مسعود نے کہا۔ ''خدا کے لیے اب ختم بھی کر چکو یہ بے محل باتیں۔ چائے اور کافی سے زیادہ ضروری یہ باتیں ہیں۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''تعجب ہے کہ ان بے معنی باتوں کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔''

مسعود نے کہا۔ ''نہیں میں صرف یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اب تم کیا رپورٹ دو گی جا کر۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''میں شہناز کے بیان کی تائید کروں گی۔''

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ''لو اور سنو۔ اے تو کیا بیٹی تم بھی یہ تہمت لگاؤ گی؟''

مسعود نے کہا۔ ''خالہ جان یہ بالکل درست ہے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ اپنی کامرانیوں اور فتح مندیوں پر یک مشت خوش ہو لیں تاکہ اس کا ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید ہو۔''

دیر تک اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ریاض کی والدہ نے لڑکیوں کو وہاں سے ٹال کر ریاض کو بھی باہر بھیج کر مسعود اور سعدیہ کو تنہائی کا موقع دینے کے لیے خود بھی کھسکنا چاہا تو سعدیہ بھی سب کے پاس ہی اندر چلی گئی اور پھر سب چائے پر یکجا ہوئے۔ سعدیہ نے آخر کار واپسی کی ٹھہرائی اور ہر چند کہ خود اس کا جی بھی نہ چاہتا تھا۔ مگر پھر آنے کا وعدہ کر کے روانہ ہو گئی۔

مسعود، ریاض کے انتظار میں اور ریاض سے زیادہ سہ پہر کی چائے کے انتظار میں کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا کہ ریاض نے آ کر نہ سلام نہ دعا ایک ڈھیلا کھینچ مارا۔ ''لو بھئی تمہاری یہ رجسٹری آ گئی ہے۔ غالباً یہ اسی انٹرویو کا نتیجہ ہے۔ نتیجہ کیا تقرر کا پروانہ ہوگا۔ ذرا کھول کر پڑھو تو سہی۔''

مسعود بڑے استغنا سے کہا۔ ''ہاں وہی ہے۔ مجھے پہلے ہی اطلاع مل چلی ہے کہ میرا انتخاب ہو چکا ہے۔''

اور یہ کہہ کر لفافہ کھول کر پڑھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے وہی ہے۔ مگر شکر ہے کہ تعیناتی یہیں ہوئی ہے۔ ڈر صرف یہی تھا کہ خدا جانے کہاں بھیج دیا جاؤں۔''

ریاض نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ ''او خوش نصیب کتے۔'' اور مسعود کے ہاتھ سے کاغذ کا چھین لیا۔

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ''انگریزی کا یہ محاورہ اردو میں گالی بن جاتا ہے۔ میں تو چپ ہو رہا۔''

ریاض نے کہا۔ ''کوئی اور ہوتا تو کاٹ کھاتا...... یعنی مکان بھی ہے اور موٹر کا الاؤنس بھی۔''

مسعود نے کہا۔ ''جی نہیں بلکہ کمپنی کا موٹر بھی ہے جس کا ذکر اس خط میں نہیں

ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''پھر تو عیش ہو گئے۔ لاحولا ولا قوۃ یعنی اکیلے ہی اکیلے ہم دونوں خوش ہو رہے ہیں نہ امی جان کو خبر ہے اور نہ نازلی کو نہ زہرہ کو۔''

اور یہ کہہ کر وہ لپکا دروازے کی طرف اور دروازے ہی سے چیخا۔ ''امی جان مٹھائی کے خوان لے کر آپ سب یہاں آ جائیے۔''

مسعود نے کہا۔ ''یا وحشت۔ آخر یہ اتنی اچھل کود کی کون سی بات ہے۔''

ریاض نے مسعود کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یعنی یہ اچھل کود کی بات ہی نہیں ہے۔ ذرا یہ منہ دیکھئے اور یہ مسور کی دال ملاحظہ فرمائیے۔ بارہ سو تنخواہ۔ کوٹھی مفت کی۔ موٹر سواری کے لیے الاؤنس الگ۔''

ریاض کی والدہ اور ان کے ساتھ نازلی اور زہرہ سب آ موجود ہوئے تو ریاض نے تقریباً ناچ کر کہا۔ ''مورا سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔''

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ''بھانڈ کہیں کا۔ پہلے آدمیوں کی طرح بتا دے کہ بات کیا ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''آپ کے یہ لاڈلے نوکر ہو گئے۔ بارہ سو تنخواہ۔ کوٹھی مفت کی۔ سواری کو موٹر۔ پھر موٹر کا الاؤنس۔''

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ''اللہ مبارک کرے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ مسعود کو ضرور کوئی رتبہ ملنے والا ہے۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے مسعود میاں ہاتھی پر سوار ہیں۔''

ریاض نے کہا۔ ''مگر امی جان سرکس میں نوکری نہیں ملی ہے بلکہ ایک ولائتی کمپنی کے جنرل منیجر مقرر ہوئے ہیں یہ حضرت۔ ذرا ان کو دیکھئے۔ اور یہ ملازمت دیکھئے واقعی خدا اکثر اپنے خوش نصیب گدھوں کو خشکہ دیتا ہے۔''

balmt@oneurdu.com

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”چل ہٹ۔ اپنا جیسا سب کو سمجھ رکھا ہے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ مسعود کی پیشانی پر جو ستارہ ہے وہ ضرور چمکے گا۔ ہاں تو میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ یہ ہاتھی پر سوار ہیں......“

ریاض نے بات کاٹ کر کہا۔ ”اور ہاتھی سائیکل چلا رہا تھا۔“

لڑکیاں تو ہنس دیں، مگر ریاض کی والدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بُری بات ہے خواب کا مذاق نہیں اڑاتے۔ میں نے تو یہ دیکھا کہ یہ ہاتھی پر سوار ہیں اور ہاتھی جو ایک درخت کے نیچے سے گزرا تو یہ درخت پر چڑھ گئے۔“

ریاض نے کہا۔ ”اس کے بعد کا حصہ میں نے دیکھا کہ درخت پر چڑھ کہ یہ امرود توڑ توڑ کر کھا رہے تھے اور نیچے کھڑا ہوا ہاتھی اپنی سونڈ سے ان کی دم پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا تھا اور یہ اس پر دانت نکال رہے تھے۔“

مسعود نے کہا۔ ”اپنے نزدیک آپ نے بڑا مزاحیہ نکتہ پیدا کیا ہے۔ مزاح لطیف کے بادشاہ ہو تم۔ پھٹکار ہے تمہارے اس مزاح پر۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”پہلی تنخواہ میں میلاد شریف کراؤں گی میں۔“

زہرہ نے کہا۔ ”امی جان پہلی تنخواہ تو بہنوں کا حق ہوتی ہے۔“

ریاض نے کہا۔ ”اگر یہ شرط ہے تو بھئی مسعود مجھ کو بھی اپنا بھائی نہیں بہن ہی سمجھو آج سے۔ خیر امی جان میلاد شریف تو تنخواہ ملنے پر ہو گا۔ مگر از روئے قاعدہ منہ تو آپ کو آج ہی میٹھا کرانا چاہیے۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”منہ میٹھا نہ کرو بلکہ پیٹ بھر لو مٹھائی سے۔ روپے مجھ سے لو اور مٹھائی اپنی پسند کی خود لاؤ۔“

ریاض نے کہا۔ ”اگر مجھ کو مٹھائی سے زیادہ روپے پسند ہوں تو؟“

زہرہ نے کہا۔ ”اب آپ روپے بھی کھٹائی میں ڈلوائیں گے۔ لائیے امی جان مجھے دیجئے روپے۔ میں مٹھائی بھی مسعود بھائی سے ہی منگا کر کھاؤں گی۔“

مسعود نے کہا۔ ”منظور ہے۔ بشرطیکہ روپے بھی میرے ہی ہوں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”تو کیا یہ روپے کسی اور کے ہیں بیٹا۔ یہ حق ماں کا ہوتا ہے یہ روپے لو اور جا کر مٹھائی لاؤ۔“

مسعود تو روپے لے کر روانہ ہو گیا اور اس کانفرس میں اب سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور ہونے لگا کہ مسعود کو کل ہی چارج لے کر اس کوٹھی پر بھی قبضہ کر لینا ہے جو اس کو مل رہی ہے۔ اب معلوم نہیں اس کوٹھی میں کچھ سامان بھی ہے یا نہیں۔ اس پر ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”میں تو یہ کہتی تھی کہ کوٹھی پر قبضہ ضرور کر لیں۔ مگر رہیں یہیں۔“

ریاض نے کہا۔ ”کیا مطلب ہے آپ کا۔ یعنی کوٹھی پر قبضہ کر کے اس کو کرائے پر چلائیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”لڑکے میں تیرے ساتھ کی کھیلی ہوئی ہوں آخر بات کیا ہے۔ میں نے تو ایک بات کہی کہ اکیلے کیسے رہیں گے وہاں۔“

ریاض نے کہا۔ ”بہر حال جو کچھ بھی ہو رہنا وہیں چاہیے ان کو۔ اگر سامان نہیں بھی ہے تو یہاں سے تھوڑا بہت پہنچا دیا جائے گا۔“

مسعود نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا پہنچا دیا جائے گا؟“

ریاض نے کہا۔ ”سوال یہ درپیش ہے کہ خدا جانے اس کوٹھی میں سامان بھی ہے کچھ، یا خالی کوٹھی ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”باقاعدہ فرنشڈ کوٹھی ہے۔ دوسرے یہاں سے سامان پہنچانے کے کیا معنی۔ سارا ہی سامان جائے گا وہاں۔ جب کوٹھی مل گئی ہے تو اس کرایہ

کے مکان کو کیوں رکھا جائے۔‘‘

نازلی نے کہا۔ ’’آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔‘‘

ریاض نے کہا۔ ’’خیر بات تو آپ چھین لیجیے منہ کی، مگر منہ کی مٹھائی نہ چھینیے۔ پیش کیجیے ملاحظے میں یہ ٹوکری۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’آدمیوں کی طرح چائے کے ساتھ کھانا۔ میرا بغیر چائے کے بُرا حال ہے۔‘‘

نازلی نے کہا۔ ’’چائے تو کب کی تیار ہے۔ چلیے میز پر۔‘‘

اور یہ سب چائے کی میز پر یکجا ہوگئے۔ ریاض نے تو واقعی مٹھائی کھانے کا حق ہی ادا کردیا۔ یہاں تک کہ زہرہ نے نازلی سے کہا۔ ’’نازلی بہن خدا کے لیے اب بھائی جان کے سامنے سے مٹھائی ہٹا لیجیے مٹھائی کھانے کے وقت یہ اپنے پیٹ کو بڑکا سمجھتے ہیں۔‘‘

ریاض بھی اب زبردستی ہی کھا رہا تھا۔ لہٰذا پلیٹ کے ہٹ جانے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔ ’’میں چاہتا ہوں کہ چل کر اسی وقت کوٹھی دیکھ آئیں ہم سب۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’تم تو ہو گھامڑ۔ کل چارج لینے کے بعد چلیں گے۔ خالہ جان میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ اب اس مکان میں رہنا غلط ہے۔‘‘

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ’’تم ہی بتاؤ کہ یہ مکان میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ اللہ بخشے تمہارے خالو کے زمانے سے ہمارے پاس ہے۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’اگر آپ نے ایسی باتیں کہیں تو میں کوٹھی لینے سے انکار کردوں گا۔ میں آپ کو اب یہاں نہ رہنے دوں گا۔‘‘

نازلی نے کہا۔ ’’سچ مچ خالہ جان، بغیر آپ لوگوں کے اب ہم سے نہ رہا

جائے گا کہیں۔‘‘

ریاض نے کہا۔ ’’اوہو۔ ابھی سے یہ کیا خواہ مخواہ کی باتیں ہو رہی ہیں، پہلے چارج تو لو۔ پھر دیکھا جائے گا۔‘‘

اور تھوڑی دیر کے بعد سب نے دیکھا کہ ریاض کی والدہ شکرانے کی نماز ادا کررہی تھیں۔‘‘

مسعود کو جو کوٹھی ملی تھی وہ ایک نہایت خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے چمن کے درمیان تھی۔ اس کوٹھی کو نہایت نفاست سے سجایا گیا تھا اور فرنیچر میں ضرورت کی تمام چیزیں تھیں اور نہایت پر تکلف تھیں۔ چار تو اس کوٹھی میں بڈروم تھے۔ کھانے کا کمرہ نہایت شاندار تھا اور ڈرائنگ روم کا فرنیچر تو دیکھنے کے قابل تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ مسعود سے پہلے اس کوٹھی میں کمپنی کا انگریز جنرل منیجر رہتا تھا اور اس نے کوٹھی کو نہایت سلیقے سے رکھا تھا۔ سلیقے کا اندازہ کوٹھی کی صفائی اور نفاست سے زیادہ کوٹھی کے چمن کو دیکھ کر ہوتا تھا۔ جتنے حسین اور متنوع گلاب اس چمن میں تھے بہت کم کوٹھیوں میں نظر آتے تھے۔ مالی کمپنی کی طرف سے ملازم تھا، چوکیدار کمپنی کا تھا اور ایک اردلی بھی کمپنی ہی کی طرف سے مسعود کو گھر کے لیے ملا تھا۔ باقی ملازم مسعود نے سب وہی رکھ لیے جو پہلے اس انگریز کے پاس تھے، جس کی جگہ پر مسعود کا تقرر ہوا تھا۔ فی الحال تو ریاض کی والدہ بھی زہرہ اور ریاض کے ساتھ ہی اس کوٹھی میں آ گئی تھیں، مگر سامان منتقل کرنا اور اس مکان کو چھوڑنا قرین مصلحت نہ سمجھا گیا اور اس مصلحت سے آخر مسعود کو بھی اتفاق کرنا پڑا۔ بات یہ ہوئی کہ ریاض کی والدہ نے مسعود کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھ کر کہا۔

”میاں مجھ کو کوئی عذر نہیں ہے اور میں تم کو کسی حیثیت سے غیر نہیں بلکہ ریاض ہی کی طرح اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔ مگر نازلی اور ریاض کا رشتہ طے ہے۔ لہٰذا فی الحال ہم کو الگ الگ ہی رہنا چاہیے۔ حالاں کہ یہ نام کی علیحدگی ہوگی ورنہ زیادہ تر ہم لوگ یہیں موجود رہیں گے۔“

یہ عذر ایسا تھا کہ مسعود کو بھی چپ ہونا پڑا۔ اور ریاض کی والدہ اس نئے گھر کو ایک ڈھرے پر لگانے کے لیے فی الحال یہیں ٹھہر گئیں۔ باورچی خانے کا ضروری سامان مہیا کرایا۔ تمام جنس خرید وا دی۔ ملازموں کو سمجھا بجھا دیا کہ وہ کس اسلوب سے اپنے اپنے کام میں لگیں اور ان سے کس خدمت کی ضرورت ہوگی۔ نازلی نے کوٹھی کی آراستگی میں اپنے ذوق سلیم کے جوہر دکھانا شروع کر دیئے اور دو ایک دن ہی میں سارا کارخانہ باقاعدگی سے چلنے لگا۔ اب ملازموں کو معلوم ہو چکا تھا کہ صاحب کس وقت سوتے ہیں کس وقت بیدار ہوتے ہیں۔ ناشتہ کس وقت کرتے ہیں۔ کھانا کیا پسند کرتے ہیں۔ غسل کس وقت کرتے ہیں۔ کپڑے بدلتے وقت ان کو کس خدمت کی ضرورت ہوتی ہے، مختصر یہ کہ دونوں لڑکیاں اور ریاض کی والدہ ملازموں کو سب کچھ بتا چکی تھیں۔ خود مسعود تو دفتر میں مصروف ہو گیا تھا مگر ریاض نے اس گھر کا نظام درست کرنے کے لیے چھٹی لے رکھی تھی۔ ادھر تو یہ اہتمام تھے ادھر مسعود کا یہ عالم تھا کہ وہ اس گھر میں بھی اسی سادگی سے رہنا چاہتا تھا جو سادگی اس کو ریاض کے گھر نصیب ہو گئی تھی، کہ بجائے نوکروں سے تیمارداری کرانے کے وہ سب کچھ خود ہی کرتا تھا اور وہ اس کا قائل ہو چکا تھا کہ اپنا کام خود کر کے جو اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ دوسروں کے کام کرنے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ مثلاً جوتے پر پالش کرنے کو اس نے ایک فن کی طرح حاصل کیا تھا اور اس کا مقولہ تھا کہ خوش سلیقگی کے ساتھ پالش کیا ہوا جوتا اپنے پیر میں دیکھ کر خود اپنی تندرستی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اب بھی اپنے جوتے نوکروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑتا تھا، بلکہ کہا کرتا تھا کہ میں جس طرح داڑھی کسی اور سے صاف نہیں کرا سکتا، اسی طرح جوتا بھی کسی اور سے صاف نہیں

کراسکتا۔ مگر ریاض اس کا شدید مخالف تھا۔ اس نے پہلے تو سمجھایا مگر اب ڈانٹنا شروع کر دیا تھا کہ:

''یہ کیا واہیات ہے کہ صبح اٹھے اور بوٹ پالش کی دکان کھول کر بیٹھ گئے۔ یہ نوکر آخر دل میں کیا کہیں گے کہ دراصل صاحب ہیں تو موچی، لکھ پڑھ گئے ہیں تو یہ افسری مل گئی ہے۔ مگر اصلیت پر اب بھی اتر آتے ہیں۔''

مسعود نے کہا۔ ''بھئی میں کیا کروں مجھے اطمینان نہیں ہوتا جب تک میں اپنے جوتوں کا خود لاڈ پیار نہ کروں۔ میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ انسان کی سب سے زیادہ نظر اپنے جوتے پر پڑتی ہے اور اچھا پالش کیا ہوا جوتا دیکھ کر اپنی تندرستی کا احساس ہوتا ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''مگر بندہ نواز اس پر بھی تو غور فرمایئے کہ آپ کو پالش کرتا ہوا دیکھ کر دوسروں کے احساسات آپ کے متعلق کیا ہوتے ہوں گے۔ جوتوں پر پالش کرنے والا صاحب نوکروں پر بمشکل ہی رعب قائم رکھ سکتا ہے۔''

مسعود نے کہا۔ ''خیر یہ تو بکواس ہے۔ آپ کے جوتوں اور ان کی پالش کا کوئی تعلق رعب سے نہیں ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا اس عالم میں آپ بارعب تو نہیں خاکروب معلوم ہوتے ہیں''

مسعود نے کہا۔ ''اگر تم صرف یہی ایک فقرہ چست کرنے کے لیے اس بحث کو طول دے رہے تھے تو خوب ہے یہ فقرہ اب ختم کرو اس بحث کو اور کان کھول کر سن لو کہ جوتے پر پالش کرنا ایک نہایت لطیف فن ہے جو ان ملازموں کے بس کا روگ نہیں۔ یہ برش کو پالش میں لتھیڑ کر لیپ پوت تو کر سکتے ہیں مگر پالش کرنا کچھ اور ہی چیز ہے۔''

ریاض نے جل کر کہا۔ ''اچھا بابا تم جانو تمہارا کام جانے۔ میرے پاس تم سے سر کھپانے کو فالتو بھیجہ نہیں ہے۔''

اور یہ کہہ کر وہ مسعود کو پالش کرتا ہوا چھوڑ کر احتجاجاً چلا گیا۔ لڑکیوں سے مسعود کی اس ضد کی شکایت کی، اپنی والدہ سے یہ رونا رویا۔ مگر مسعود کو اپنے اس شغل سے کوئی باز نہ رکھ سکا۔ اور ایک اسی شغل پر کیا منحصر ہے اس نے اپنے معمولات میں بہت ہی کم فرق آنے دیا۔ بیرے اور خانساماں نے اس کو بستر کی چائے پر لگانا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ جو عادتیں پڑی ہوئی ہیں وہی کیا کم ہیں کہ میں نئی نئی عادتیں ڈالوں۔ خانساماں نے کھانے پر رفتہ رفتہ کچھ انگریزی چیزوں کا اضافہ شروع کیا۔ مگر مسعود کی طرف سے جب حوصلہ افزائی نہ ہوئی تو وہ بھی صبر کر کے بیٹھ رہے کہ ہمارے یہ صاحب تو خالص سودیشی مال ہیں۔ رات کے کھانے کے بعد خانساماں نے کافی کی رسم چلانا چاہی۔ مگر یہ رسم اسی وقت تک چل سکی جب تک ریاض یہاں رہے۔ ان کے جانے کے بعد خود نازلی کو منع کرنا پڑا کہ صاحب کافی نہیں پیتے۔ البتہ اس کو ذرا لباس میں تکلف ضرور برتنا پڑا۔ اس لیے کہ اس میں کمپنی کے وقار کا سوال تھا۔ گھر پر پھر بھی وہ نہایت سادہ لباس میں رہتا تھا۔ نہ سونے کے وقت سلیپنگ سوٹ نہ بیداری کے وقت ڈریس گون کی تلاش۔ وہی معمولی کرتا پاجامہ اور جاڑے میں کرتے پر ایک سوئٹر اس کا ہمیشہ سے گھریلو لباس تھا اور یہی اب بھی رہا۔ مگر دفتر جانے کے لیے وہ بہتر سے بہتر سوٹ استعمال کرتا تھا۔ اور یہ سوٹ وہ تھے جو ریاض کی والدہ نے اس کے لیے تیار کرا دئے تھے اور اس معاملے میں اس نے کسی تکلف سے بھی کام نہ لیا تھا۔

دس بارہ روز مسعود کی کوٹھی میں رہ کر ریاض کی والدہ مسعود کو سمجھا بجھا کر اپنے گھر واپس چلی گئیں۔ حالانکہ اب بھی تقریباً ہر شام یا تو وہ مسعود کی کوٹھی پر آجاتی

تھیں یا مسعود معہ نازلی کے ان کے گھر چلا جاتا تھا۔ کوٹھی کے تمام ملازموں کو یہی معلوم تھا کہ یہ صاحب کی والدہ ہیں اور یہ بات کسی کو سمجھانے کی نوبت ہی نہ آتی تھی بلکہ آپس کا سلوک ہی ایسا تھا کہ سوائے اس کے کچھ اور سمجھا ہی نہ جا سکتا تھا۔

آج مسعود کو اس کی پہلی تنخواہ ملی تو وہ دفتر سے آتے ہی نازلی کو کار میں بٹھا کر سیدھا ریاض کے گھر پہنچا اور ریاض کی والدہ کے قدموں میں تنخواہ ڈال دی۔ ان بیچاری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مسعود کو گلے لگا کر روپے اس کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم نے دیے میں نے پائے۔ اور اب ان میں سے صرف سو میرے حوالے کر دو تا کہ میں میلاد شریف کرا ڈالوں۔ باقی تم اپنا اور اپنے گھر کا سامان درست کرو۔ نوکروں کو تنخواہیں دو اور کوئی مناسب سا تحفہ سعدیہ کے لیے ضرور خرید لو۔ سب سے زیادہ خوش ہونے والی وہی ہے۔ آج خدا بخش آیا تھا اس کے ہاتھ زہرہ سے لکھوا کر میں نے پرچہ بھیجا ہے کہ اب آؤ تو تم کو لے کر کوٹھی چلوں۔ وہ آئے تو اپنے ہاتھ سے اس کو تحفہ دے دینا۔''

مسعود نے کہا۔'' سنئے خالہ جان۔ نوکروں کی تنخواہیں بھی آپ ہی دیں گی۔ یہ تحفہ بھی آپ ہی خریدیں گی۔ اور گھر کی ضروریات وغیرہ کی بھی آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ مجھ کو آپ پچیس روپے میرے سگریٹوں کے البتہ دے دیجئے۔ باقی آپ جانیں اور آپ کا کام۔''

ریاض کی والدہ لاکھ ٹالنا چاہا مگر مسعود نے ایک نہ سنی۔ بلکہ جب وہ آزردہ ہونے لگا کہ شاید آپ میرا رسمی اصرار سمجھ رہی ہیں، اور آپ مجھ میں اور ریاض میں فرق کرتی ہیں تو انھوں نے وہ روپے رکھ لیے۔ اور پھر علیٰحدگی میں نازلی کو دے کر سمجھا دیا کہ یہ تم اپنے پاس رکھو۔ میری امانت سمجھ کر رکھو۔ میں خود آ کر نوکروں کو

تنخواہیں دوں گی اور سب حساب صاف کر دوں گی۔

نازلی کی کیا مجال تھی کہ وہ انکار کرتی۔ البتہ اس نے اتنا ضرور کہا کہ نوکروں کو ابھی ہم لوگ سمجھے نہیں ہیں اس صورت میں یہ رقم اس گھر میں رکھنا خطرناک ہے۔ یہ بات ریاض کی والدہ کی سمجھ میں بھی آ گئی اور انھوں نے وہ روپے لے کر مسعود سے کہا کہ ''چلو میں ابھی چلتی ہوں کوٹھی۔''

مسعود کا گھر تو رفتہ رفتہ باقاعدگی اختیار کرتا جا رہا تھا مگر اب اس کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ کسی طرح وہ نازلی کی شادی کی تیاریاں بھی شروع کر دے۔ ہر چند کہ ریاض کی والدہ اس سے کہہ چکی تھیں کہ نازلی میری بہو بننے سے پہلے میری بیٹی بن چکی ہے اور میں طے کر چکی ہوں کہ اس شادی کا اہتمام دونوں طرف سے میں ہی کروں گی۔ مگر مسعود پھر بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ گھر کے یہ نمائشی تکلفات فی الحال ختم کر کے یہ اہتمام شروع ہو جائے۔ چنانچہ ریاض کی والدہ نے جب ایک لمبی چوڑی فہرست تیار کر کے اسے دی کہ تم کو اتنے کپڑوں کی اور ضرورت ہے، اس کمرے کے لیے ایک قالین خرید لیا جائے، کراکری میں اتنی چیزوں کی اور ضرورت ہے تو اس نے پہلے تو ان کو سمجھایا کہ ابھی میری ملازمت کو دو تین ہی مہینے تو ہوئے ہیں یہ سب تکلفات بھی ہو جائیں گے۔ مگر اب آپ کو چاہیے کہ سب سے پہلے نازلی کا جہیز آپ تیار کر دیں۔ میں جب تک اپنے اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا اس وقت تک اپنی ذات کے لیے کوئی اہتمام گوارا نہیں کر سکتا۔ میرے پاس جتنے کپڑے ہیں وہ میری ضرورت کے لیے بہت کافی ہیں۔ اس گھر میں جو سامان ہے اس سے زیادہ کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ اب آپ ہر طرف سے ہاتھ روک کر صرف نازلی کی شادی کا سامان فراہم کرنے کی کوشش کیجیے۔

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”بڑا آیا وہاں سے نازلی کا ٹھیکہ دار۔ ہزار مرتبہ کہہ

چکی ہوں کہ نازلی کو میں بیٹی کہہ چکی ہوں اور یہ شادی بھی اس قول کو پورا کرنے کے لیے کر رہی ہوں۔ اس کے لیے جس انتظام کی ضرورت ہے وہ میں کر چکی ہوں۔ میں ریاض کی شادی جہیز کے ساتھ نہیں کر رہی ہوں۔ مجھ کو نازلی اور صرف نازلی چاہیے۔“

مسعود نے کہا۔ ”خالہ جان یہ درست ہے مگر میرا بھی تو کچھ فرض ہے۔ آخر میں اس کا بھائی ہوں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”میں کہتی ہوں تم بچوں کو ان باتوں سے کیا غرض۔ تم اپنی تنخواہ میرے ہاتھ میں دیتے ہو اور میں خوش ہوتی ہوں کہ میرا کماؤ لال اپنی کمائی کا مالک مجھ کو سمجھتا ہے۔ اب میں جانوں اور میرا کام۔ تم سے کیا مطلب۔“

مسعود نے کہا۔ ”اچھا آپ کم سے کم مجھ کو یہی بتا دیجئے کہ آپ نے نازلی کے لیے کیا کچھ کر لیا ہے۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”تو کیا تم سے کوئی چوری ہے۔ ہاتھ گلے کی ایک آدھ چیز بنوالی ہے۔ تھوڑے سے کپڑے تیار کر لیے ہیں۔ باقی میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ سب آخر کس کا ہے۔ زہرہ کا جہیز میں پہلے ہی سے مکمل کر کے ایک کمرے میں بند کر چکی ہوں۔ اس کمرے کے علاوہ باقی سارا گھر نازلی کا جہیز سمجھ لو۔“

مسعود نے کہا۔ ”پھر بھی معلوم تو ہو ہاتھ گلے کی کیا چیزیں بنوائی ہیں۔ کپڑے کتنے تیار ہوئے ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے عاجز آ کر کہا۔ ”توبہ ہے تم سے بھی بیٹا جھاڑ کا کانٹا بن کر الجھ گئے ہو۔ لو سنو ایک نکلس، ایک پینڈل، ہاتھوں کی بارہ بارہ چوڑیاں، دو چار انگوٹھیاں، دلہناپے کے دنوں کے لیے ٹیکہ۔ کانوں کے لیے دو جوڑ کانٹے ایک ایک مگر تو زیوروں میں ہے بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ یہ بھی زیادہ ہے آج کل کی لڑکیاں

پہنتی ہی کب ہیں زیور۔ رہ گئے کپڑے ان میں چار جوڑے ساریوں کے ہیں۔ چار شلوار سوٹ ہیں۔ چار غرارہ سوٹ ہیں اور تھوڑے متفرق کپڑے ہیں۔ اس کے بعد اللہ رکھے وہ خود اپنی اور میاں کی پسند کے بنوائے گی۔

مسعود نے کہا۔ ”مجھے اب اطمینان ہوگیا۔ اگر آپ اتنا سامان کر چکی ہیں تو اب بیشک آپ مجھ کو میرے کپڑوں کے لیے روپے دے سکتی ہیں اور اب بے شک آپ قالین بھی منگا سکتی ہیں اور کراکری کی کمی بھی پوری کر سکتی ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”اب آئے نا سیدھے راستے پر۔ میں روپے دیتی ہوں آدمیوں کی طرح جا کر اپنے سوٹوں کا آرڈر دے کر آؤ۔ آٹھ دس قمیصیں بنوالو۔ کراکری کی جو فہرست دے رہی ہوں وہ جا کر لادو۔“

مسعود نے ریاض کی والدہ سے وہ موٹی سی رقم حاصل کی اور کار لے کر روانہ ہوگیا۔ مگر جب شام کو لدا پھندا گھر واپس آیا تو اس وقت ریاض بھی موجود تھا۔ مسعود نے ملازموں سے کہا کہ تمام سامان میرے کمرے میں رکھ کر باقی سب کو وہیں بلالو۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ریاض کی والدہ، خود ریاض، زہرہ، اور نازلی سب اس کے کمرے میں جمع ہوگئے تو اس نے نازلی اور زہرہ کو ڈانٹا کہ خبردار اگر کسی چیز کو ہاتھ بھی لگایا۔ میں ایک ایک کر کے ہر چیز خود دکھادوں گا۔ مگر اس کمرے سے تمام وہ چیزیں ہٹا دو جن سے میں خالہ جان کے ہاتھ سے پٹ سکتا ہوں مثلاً ریاض صاحب یا تو آپ اپنی سلیپر پہن لیں ورنہ ان کو کمرے کے باہر اچھال دیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”تو کیا لڑکے تو نے مجھ کو دیوانہ مقرر کیا ہے۔“

ریاض نے کہا۔ ”بندہ نواز اب مارے اشتیاق کے بُرا حال ہے۔ خدا کے لیے یہ چیزیں کسی طرح دکھا چکیے۔“

مسعود نے ایک بنڈل کھولتے ہوئے کہا۔ ”دیکھئے خالہ جان یہ سوٹ کا کپڑا

کیسا ہے۔“

ریاض نے خوش ہو کر کہا۔ ”بھئی واقعی لاجواب ہے۔ مان گئے صاحب آپ کے انتخاب کو۔“

نازلی نے بھی داد دی اور زہرہ نے بھی کہا۔ ”یہ سوٹ ہوگا بے شک شاندار۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”اللہ مبارک کرے واقعی بڑا پیارا سوٹ رہے گا۔“

مسعود نے کہا۔ ”خالہ جان یہ سوٹ میرا نہیں ہے بلکہ دولہا کا ہے۔ لڑکی والے لڑکے کو بھی جوڑا دیتے ہیں نا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ انتظام آپ نے نہ کیا ہوگا۔ میری طرف سے ریاض کو دو جوڑے دیئے جائیں گے۔ ایک کہ سوٹ اور ایک یہ رہا سیاہ شیروانی کا کپڑا۔ چاہیے تو تھا کہ میں ڈنر جیکٹ دیتا۔ مگر فی الحال یہ سیاہ شیروانی سہی ڈنر سوٹ قرض رہا۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”یہ تم اپنے کپڑے بنوانے گئے تھے؟“

مسعود نے کہا۔ ”خالہ جان اگر آپ کو خفا ہونا ہی ہے تو یک مشت خفا ہو لیجیے گا۔ فی الحال سب چیزیں دیکھ لیجیے۔“

زہرہ نے کہا ”اس بنڈل کو کھولیے اس میں کوئی نہایت لاجواب چیز ہے۔“

مسعود نے کہا۔ ”او بے صبر لڑکی ذرا ٹھہر جا۔ یہ دیکھئے خالہ جان یہ نازلی کی گھڑی ہے۔ آپ نے زیوروں کی تفصیل میں گھڑی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بقول آپ کے آج کل کی لڑکیاں زیور تو بے شک نہیں پہنتیں مگر گھڑی ضرور لگاتی ہیں۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”اے بیٹا گھڑی میں خود منگانے والی تھی۔ مگر سچ مچ کیسی خوبصورت کنگن گھڑی ہے جیسے سونے کا کڑا ہو۔“

مسعود نے کہا۔ ”تو یہ بھی تو آپ نے خود ہی منگائی ہے۔ اچھا یہ دیکھئے، یہ نازلی کا ایک پورے ایک آدھے کوٹ کے کپڑے ہیں۔“

زہرہ نے کہا۔ ''سچ مچ کتنے خوب صورت ہیں یہ دونوں کپڑے۔''

ریاض کی والدہ نے کہا'' کوٹ بنانا بے شک بھول گئی تھی۔ ہاں سچ کیوں نہ کہوں نہیں آیا خیال۔''

مسعود نے کہا۔ ''اور یہ اٹیچی ہے میک اپ سٹ کی۔'' ریاض نے کہا۔ خوب ہے صاحب۔ حضت آپ تو بڑے سلیقے کے آدمی نکلے۔ بلکہ میں نادم ہو رہا ہوں کہ میں آپ کو اب تک نہایت کورذوق قسم کا بلکہ عورتوں کی زبان میں کہنا چاہیے پھوہڑ سمجھا کرتا تھا۔''

مسعود نے کہا۔ ''مجھے خود یہ سٹ بہت پسند ہے۔ زہرہ کے لیے بھی ایک ایسا ہی لاکر رکھ لوں گا۔ اچھا یہ دیکھئے کتنا حسین کافی سٹ ہے۔''

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ''اب شروع ہوا بے تکا پن۔ ایک چھوڑ کئی کافی سٹ موجود تھے۔''

مسعود نے کہا۔ ''تو ایک میری خوشی سے اور سہی۔''

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ''نہیں یہ اس گھر میں رہے گا۔''

مسعود نے کہا۔ '' خالہ جان یہ سٹ میں نازلی کو اس انعام میں دینا چاہتا ہوں کہ ایک دن بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہم سب جمع تھے اور کافی کا دور چل رہا تھا کہ اجمل نے بیگم صاحبہ کو از قسم اختلاج کسی بیماری کی دوا پیش کرتے ہوئے کہا۔۔ بسم اللہ یا شافی۔ تو اس شریر نے فوراً کافی کا پیالہ لبوں سے لگا کر کہا۔۔ بسم اللہ یا کافی۔ یہ اس وقت کا قرض ہے جواب ادا کر رہا ہوں اور آخری چیز خالہ جان یہ ایک انگوٹھی ہے۔ ریاض دیکھو تو کیسی ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''جواب نہیں ہے۔ مگر یہ تو نازلی کے پیر کے انگوٹھے میں آئے گی شاید''

مسعود نے کہا۔ ''یہ دلہن کی نہیں دولہا کی ہے۔ ذرا پہن کر دیکھو۔ ہاں یہ واقعی تمہارے ہاتھ میں تو اور بھی سج گئی۔''

ریاض کی والدہ چیختی چلاتی رہیں مگر مسعود نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''اب سر تسلیم خم ہے۔ بہر حال میں اپنی سی کر گزرا۔''

ریاض کی والدہ بکتی اور ناراض ہوتی جاتی تھیں اور یہ سامان سمیٹی جاتی تھیں۔

by iqbalmt@oneurdu.com scanned

بیگم صاحبہ کے گھر میں مسعود کی ملازمت، مسعود کی کوٹھی اور مسعود کے موٹر کے دن رات چرچے تھے۔ دل میں تو انگارے سلگ رہے تھے مگر زبان سے تحقیر اور تذلیل ہی کا سلسلہ جاری تھا۔ بیگم صاحبہ بھی کہہ کر منہ بنالیا کرتی تھیں کہ کمپنی کی منیجری بھی کوئی نوکری میں نوکری ہے۔ وہ صاحب زادے تو کہتے تھے کہ کلکٹر بنوں گا۔ مجسٹریٹی اور ججی کروں گا۔ آخر نہیں ملی نا ان کو کوئی حکومت کی نوکری اور جھک مار کر منیجری کرنا پڑی ایک کمپنی کی۔

اجمل کی زبان پر ہر وقت یہی ذکر تھا کہ کمپنی کی موٹر کار کو باپ کا مال سمجھ کر وہ اکڑ دکھائی جاتی ہے کہ میں کیا کہوں۔ اگر کہیں اپنی گاڑی مل جاتی تو شاید زمین پر پیر ہی نہ رکھتے۔ آج کان پکڑ کر نکال دئے جائیں تو کل پھر اپنی اوقات پر تشریف لے آئیں گے۔ اور کرائے کی سائیکلوں پر خاک چھانتے نظر آئیں گے۔

شہناز تو خیر بات بات پر کہا کرتی تھی کہ اس شخص نے سارا لکھا پڑھا ہونا گنوادیا۔ کمپنی کی نوکری بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی کی دکان پر سیلز مین کی حیثیت سے نوکری کرے، یا جیسے یہ ہوتے ہیں سینما کے منیجر۔

سعدیہ یہ تمام ریمارک سنتی تھی اور کبھی سب کے سامنے ہنس دیا کرتی تھی۔ کبھی دل ہی دل میں ہنس کر رہ جاتی تھی کہ یہ لوگ کس بری طرح احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور کس کس طرح مسعود کی اس ترقی اور مسعود کے اس عروج پر اپنے دل کو

جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔ مگر خدا بخش کا اب ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح مسعود کی شان وشوکت کا ذکر چھیڑ ہی دیتا تھا۔ مثلاً آج ہی اس نے باہر سے آکر کہا کہ میں بیگم صاحبہ کی دوا ڈھونڈتا ہوا ٹھنڈی سڑک سے صدر بازار جانے کے لیے جو گزرا تو مسعود میاں کی کوٹھی دیکھی۔ بڑی شاندار کوٹھی ملی ہے ان کو۔ مالی باغیچہ میں گھاس کاٹنے کی مشین چلا رہا تھا۔

بیگم صاحبہ نے جل کر کہا۔ ”گویا مسعود کے والد محترم یہ کوٹھی بنوا کر صاحبزادے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ جیسے میں نے تم کو کوارٹر دے رکھا ہے۔ اب دیکھنے والے یہ کہنے لگیں کہ خدا بخش کا کوارٹر کتنا خوبصورت ہے۔ اس کمپنی نے بھی کوارٹر کے طور پر یہ کوٹھی دے رکھی ہے۔ جس دن نوکری چھوٹی۔ پھر کسی دوست کی روٹیاں توڑنے پہنچ جائیں گے۔

اجمل نے کہا۔ ”ان کمپنیوں کی نوکری کا بھی کوئی ٹھیک ہے؟ ان سے پہلے والا منیجر آخر بیک بینی و دو گوش نکال دیا گیا تھا یا نہیں۔“

شہناز نے کہا۔ ”نوکری تو نوکری ان کمپنیوں ہی کا کیا اعتبار ہے۔ ہزاروں کمپنیاں روز بنتی اور روز ٹوٹتی رہتی ہیں۔ آج نکل جائے کمپنی کا دیوالہ تو مسعود صاحب کی یہ ساری لاٹ صاحبی دھری رہ جائے گی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”لعنت ہے اس لاٹ صاحبی پر۔ سنا ہے کہ ریاض کی ماں اب تک امداد کر رہی ہیں۔“

اجمل نے کہا۔ ”صاحب ان کو اچھا بیوقوف بنایا ہے مسعود اور نازلی نے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”بیوقوف بنانا تو واقعی کوئی اس سے سیکھے۔ خود مجھ کو کتنے دن بیوقوف بنائے رکھا۔ میں نے پڑھایا لکھایا۔ آدمی کے جامے میں لائی۔ پھولوں میں تول تول کر رکھا۔ دنیا بھر کے نخرے اٹھائے۔ مگر جب مطلب نکل گیا تو اپنا اصل

رنگ دکھا کر چلتے بنے صاحبزادے۔ ایسے نمک حراموں کا کیا اعتبار۔"

اسی وقت ملازمہ نے ایک لفافہ لا کر بیگم صاحبہ نے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ کہ "ایک سپاہیوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے آدمی نے یہ لفافہ دیا ہے کہ بیگم صاحبہ کو پہنچا دو اور لفافہ دے کر وہ بائیسکل پر چلا بھی گیا۔"

بیگم صاحبہ نے تعجب سے کہا۔ "ہے کس کا آخر یہ لفافہ۔ ذرا پڑھنا تو سہی سعدیہ بی بی۔"

سعدیہ نے لفافہ کھول کر خط نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔

خالہ صاحبہ محترمہ و معظّمہ۔ آداب خادمانہ۔

میں یہ خط لکھنے کی جرأت اس لیے کر رہا ہوں کہ تمام اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک خاص معاملے میں آپ کا مشورہ ہی نہیں بلکہ حکم درکار ہے اور باوجود اس کے کہ آپ کی درگاہ کے ہم دونوں مردود ہیں، میں اب بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس خاص معاملے میں آپ کی ہدایت حاصل کروں۔ وہ خاص معاملہ یہ ہے کہ ہمشیرہ عزیزہ نازلی سلمہا کی شادی کا مسئلہ درپیش ہے اور بحیثیت اس کے بھائی کے میں اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ میری نظر انتخاب کا مرکز ریاض ہے۔ ریاض کو آپ بھی دیکھ چکی ہیں اور غالباً اس سے آپ کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ وہ بہترین اطوار کا نہایت معقول نوجوان ہے۔ خاندانی ہے۔ لکھا پڑھا ہے، برسرِ کار ہے، نیک معاش ہے اور کسی اعتبار سے بھی مشکوک نہیں سمجھا جا سکتا۔ پھر خوش قسمتی سے ریاض کی والدۂ محترمہ کو نازلی اس حد تک پسند ہے کہ یہ تحریک بڑی تمناؤں کے ساتھ خود ان کی طرف سے ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ نازلی کو بھی یہ رشتہ ناپسند نہیں۔ خود ریاض کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اس نسبت کے طے ہو جانے کو اپنی خوبی تقدیر سمجھیں گے۔ ان حالات میں میرا تو ارادہ یہی تھا کہ منظوری دے دوں۔ مگر

مجھ کو یاد آیا کہ یہ حق مجھ سے زیادہ آپ کو پہنچتا ہے اور باوجود اس ناراضگی کے جو آپ میں ہم لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے مجھ کو اب بھی آپ سے یہی امید ہے کہ آپ ہماری رہنمائی ضرور فرمائیں گی۔ میں آپ کی رائے اور آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ آپ کا جسے آپ اپنا نہیں سمجھتیں۔ مسعود۔"

بیگم صاحبہ یہ خط سن کر سنائے میں رہ گئیں۔ ان کو خاموش دیکھ کر اور اس اندیشے کو قریب دیکھتے ہوئے کہ کہیں اس خط کا ان پر اثر نہ ہو جائے۔ اجمل نے کہا۔ ''اتفاق سے اس وقت ان کی چالاکیوں کا ذکر تھا یہاں۔''

شہناز نے کہا۔ ''واقعی بڑا خطرناک شخص ہے یہ مسعود۔ اب نازلی کی شادی کے لیے ضرورت ہوگی روپے کی تو خالہ جان یاد آ گئیں۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر یہ قصہ کیا ہے۔ جان خود چھڑکتے تھے نازلی پر اور شادی کر رہے ہیں ریاض کے ساتھ اس کی۔ یہ معمہ کیا ہے آخر۔''

شہناز نے کہا۔ ''آپ کی بھی کیا باتیں ہیں خالہ جان۔ معمہ تو کچھ بھی نہیں صاف سی بات ہے کہ اپنا گناہ اب ریاض کے سر تھوپ رہے ہیں اور ریاض بھی ایسا بنا بنایا چغد ہے کہ پھنس رہا ہے اس دلدل میں۔''

اجمل نے کہا۔ ''ریاض بیچارہ سیدھا آدمی ہے اور واسطہ پڑا ہے اس شخص سے جو حرفوں کا بنا ہوا ہے۔''

بدگمانی ہی میں کیوں مبتلا ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس کو یہاں کچھ کا کچھ سمجھا گیا وہ دراصل بہن بھائی کی ہی محبت ہو۔ مجھے تو اس خط کے بعد اس میں کوئی شبہ رہا نہیں ہے۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''تم سچ کہہ رہی ہو سعدیہ، اب تو مجھے بھی کچھ شک سا پڑ گیا ہے کہ ایسا تو نہیں ہے کہ ہماری آنکھوں نے یہ دھوکا کھایا ہو۔''

شہناز نے بات بگڑتی دیکھ کر کہا۔ ''یہاں کا منظر تو میں نے دیکھا نہیں تھا مگر جو مناظر میں ریاض کے گھر دیکھ آئی ہوں ان کے بعد مجھے تو شک پیدا ہو نہیں سکتا۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''سوال یہ ہے کہ پھر وہ نازلی کی شادی ریاض سے کیوں کر رہا ہے۔ اور ریاض نے بھی تو بہرحال کچھ نہ کچھ دیکھا ہی ہوگا اگر تم تھوڑی دیر کے لیے جا کر بہت کچھ دیکھ سکتی ہو تو ریاض کا تو وہ گھر ہی تھا جہاں وہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔ آخر وہ اس نسبت پر کیوں کر راضی ہو گیا۔''

اجمل نے کہا۔ ''میں عرض کروں کہ وہ اس لیے ریاض سے شادی کر رہا ہے اپنی محبوبہ کی کہ خود اپنا دل بھر گیا ہوگا اور سوچا ہوگا کہ اس قسم کی لڑکی بیوی بن کر کیوں کر باوقار رہ سکتی ہے جو خود اپنی معصومیت کے ساتھ بے وفائی کر چکی ہے۔ بڑا فرق ہے کسی کو بحیثیت محبوبہ کے رکھنے میں اور بحیثیت بیوی کے رکھنے میں۔ لہٰذا اب اپنا عذاب اپنے سر سے ٹالنے کے لیے وہ حضرت جس کے بھائی نہ ہو سکتے تھے اسی کے بھائی بن کر ریاض کے سر پہ بلا نازل کرنا چاہتے ہیں۔''

بیگم صاحبہ کی حیثیت اس وقت تھالی کے بیگن کی تھی کہنے لگیں۔ ''کہتے تم بھی ٹھیک ہو ممکن ہے یہی وجہ ہو۔ مگر اس خط سے بڑا خلوص ٹپک رہا ہے۔ مجھے اس خط میں مسعود جھوٹا نظر نہیں آیا۔''

شہناز نے کہا۔ ''واقعی کتنا مکمل ہے اس کا یہ آرٹ کہ ایک ہی خط لکھا اور اس کو رام کر لیا جس کا عزم اس خط سے پہلے تک فولادی تھا۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تو میں کب اس کو بلا کر اپنے پگھل جانے کا اعتراف اس سے کر رہی ہوں۔ میں تو ابھی غور کروں گی اس پر کہ مجھ کو کیا جواب دینا چاہیے۔ سعدیہ بی بی تم یہ خط رکھ لو۔ پھر میں بتاؤں گی کہ میرا طرز عمل کیا ہوگا۔“

اجمل اور شہناز ان بدلتے ہوئے حالات کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر چپ تھے۔

مسعود نے بیگم صاحبہ کو جو خط لکھا تھا اس کی خبر گھر میں کسی کو نہ تھی۔ حد یہ ہے کہ نازلی تک کو معلوم نہ تھا اور نہ کسی کے ذہن میں یہ خیال آسکتا تھا کہ مسعود، بیگم صاحبہ اور ان کے مقربین کے اس طرز عمل کے بعد بھی اس شرافت اور رواداری سے کام لے گا۔ خود مسعود نے بھی نہ جانے کتنے غور و فکر کے بعد یہ خط لکھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی طرف سے فرض پورا ہو جائے۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ اگر جواب نہیں دیتیں تو نہ سہی، وہ اس خط کے بھیجنے کے بعد بدستور شادی کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔ ہر چند کہ ریاض کی والدہ اس کو ٹوکتی اور منع کرتی رہیں۔ خفا ہوتی رہیں۔ مگر اس نے نازلی کے جہیز کا سامان تھوڑا تھوڑا کر کے بہت کچھ جمع کر دیا۔ یہاں تک کہ جس دن مسعود سلائی کی مشین اور برقی پنکھے لے کر آیا ہے۔ آخر نازلی سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور اس نے مسعود کے کمرے میں آ کر ایک طرف خاموشی سے بیٹھے ہوئے کئی مرتبہ بات کرنے کی ناکام کوشش جو کی تو مسعود نے خود کہا۔

”کیا بات ہے نازلی۔ تم غالباً کچھ کہنا چاہتی ہو اور پھر چپ رہ جاتی ہو۔ کیا۔ کوئی ایسی بات بھی ہو سکتی ہے کہ نازلی اپنے بھائی جان سے نہ کہہ سکے۔“

نازلی نے کہا۔ ”میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ آدمی کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہئیں اور اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں آپ خدانخواستہ

مقروض تو نہیں ہو رہے ہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”غضب خدا کا! یہ جوان جہاں کنواری لڑکی اپنے جہیز کے متعلق منہ پھوڑ کر باتیں کر رہی ہے۔“

نازلی نے ٹھٹکتے ہوئے کہا۔ ”بھئی اللہ کیسی نانیوں دادیوں کی سی باتیں کرنا آتی ہیں آپ کو۔ مگر میں اس وقت سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ آپ ضرورت سے زیادہ زیر بار ہو رہے ہیں۔“

مسعود نے پھر بات ہنسی میں ٹالی۔ ”شکریہ آپ کی اس نصیحت کا آپا جان۔ مگر میں اپنی ذمہ داریوں کو آپ سے زیادہ سمجھتا ہوں۔“

نازلی نے کہا۔ ”یہی تو رونا ہے کہ آپ نہیں سمجھتے۔ آپ کو بہن کی محبت میں یہ بھی ہوش نہیں ہے کہ خود آپ پر اپنا گھر بنانے کی کتنی ذمہ داریاں ہیں۔ آپ کی ملازمت کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ ضرورت تھی کہ آپ اپنی ضروریات پوری کرتے۔“

مسعود نے کہا۔ ”میری اس سے بڑھ کر اور کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی کہ میری بہن کی شادی ہے۔ میں اس موقع پر جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ نہ کر سکا۔ مگر جو کچھ کر سکتا ہوں اس پر اعتراض کا کسی کو، حد یہ ہے کہ تم کو بھی کوئی حق نہیں ہے۔ آخر اپنی بہن کے لیے میرے بھی کچھ ارمان ہیں یا نہیں۔“

نازلی نے کہا۔ ”تو کیا وہ ارمان اس وقت پورے ہوں گے جب بوٹی بوٹی قرض میں بندھ جائے گی۔“

مسعود کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خدا بخش نے دروازے کے پاس آ کر کہا۔ ”میں آ جاؤں مسعود میاں؟“

مسعود نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔ ”آؤ آؤ خدا بخش۔ آج معلوم نہیں کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ بیٹھو نا۔ یہ کیا کر رہے ہو بابا کرسی پر بیٹھو۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”خدا سلامت رکھے آپ کو۔ مگر ابھی میں اتنا نہیں سٹھیا گیا ہوں کہ مالک کر برابر بیٹھنے لگوں۔“

مسعود نے کہا۔ ”کمال کرتے ہو بابا۔ تم کو میں نے ملازم سمجھا ہی کب ہے تم بزرگ ہو۔ یہ غلط ہے فرش سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھو۔“

نازلی نے خدا بخش کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”سچ مچ بُرا لگتا ہے بابا۔ اُٹھو تو سہی۔“

آخر بمشکل تمام خدا بخش کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔ ”میں پوچھتا ہوں مسعود میاں کہ آخر آپ کس بلا کے آدمی ہیں۔ آپ کے دل نے یہ بات گوارا ہی کیسے کی کہ بیگم صاحبہ کو خط لکھیں۔“

نازلی نے حیرت سے پوچھا۔ ”خط؟ خط کیسا؟“

مسعود نے کہا۔ ”بھئی میں نے بیگم صاحبہ کو خط لکھا ہے کہ ہر چند کہ آپ کی سرکار کے ہم دونوں بہن بھائی مردود ہیں۔ مگر میں اب بھی یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ نازلی کی شادی کے موقع پر آپ سے مشورہ طلب کروں۔“

نازلی نے برا مان کر کہا۔ ”یہ آپ نے کیوں لکھا خط۔ نہ جانے وہاں اس کے کیا معنی لیے جائیں گے۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”وہاں اس کے طرح طرح کے معنی لیے جا رہے ہیں۔ اور اب بیگم صاحبہ کو اس کا قائل کر دیا گیا ہے کہ اس خط کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے لیے خرچ دلوایئے۔“

مسعود نے کہا۔ ”لاحول ولا قوۃ۔ خدا نہ کرے کہ ہم کو ان کے روپے پیسے کی ضرورت ہو۔ ہم بے شک غریب ہیں مگر غریب آدمی بھی آخر شادی بیاہ کرتے ہی

ہیں۔ ڈھوم دھڑ کے سے نہ سہی معمولی طرح ہی سہی۔''

خدا بخش نے کہا۔''مگر اس خط کے بعد سے خود بیگم صاحبہ بہت پسیج گئی ہیں اور ان کو برابر یہ خیال آتا رہتا ہے کہ کہیں یہ غلط فہمی ہی تو نہ تھی کہ وہ آپ کے ساتھ زیادتی کر گزریں۔''

مسعود نے کہا۔''خیر اب ان کے غور کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر بابا میں نے تو یہ خط اس لیے لکھا تھا کہ خود میرا دل ہلکا ہو جائے اور مجھ کو یہ قلبی اور روحانی مسرت حاصل ہو کہ میں نے ایک اور شریفانہ قدم اٹھایا اور رواداری کا ایک معیار قائم کیا۔ جو زیادتی میرے ساتھ کی گئی ہے اگر اس کا جواب زیادتی ہی کی صورت میں دوں تو مجھ میں اور ان میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ ان کو وہی کرنا چاہیے تھا جو انھوں نے کیا اور مجھے یہی کرنا چاہیے جو میں نے کیا ہے مگر انھوں نے میرے خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

خدا بخش نے کہا۔''جواب بن پڑے تو جواب بھی دیں۔ وہاں تو ابھی تعجب ہی ختم نہیں ہوا ہے اور سوچا جا رہا ہے کہ کیا جواب دیا جائے۔ شہناز اور اجمل ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ اس خط کا جو اثر بیگم صاحبہ پر ہوا ہے وہ باقی نہ رہے۔ مگر بیگم صاحبہ اب تک یہی کہہ رہی ہیں کہ جواب ضرور دینا چاہیے۔ مگر اس خط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ اجمل نے اپنے ہاتھ کی صفائی ذرا تیزی سے دکھانا شروع کر دی ہے کہ جو کچھ لوٹا جا سکے لوٹ لے پھر جانے موقع ملے یا نہ ملے۔''

مسعود نے کہا۔''اچھا تو کیا پھر کوئی بڑا ہاتھ مارا ہے۔''

خدا بخش نے کہا۔''وہ چھوٹا ہاتھ کب مارتا ہے بنک میں آپ کے سامنے ہی جو کچھ جمع کر چکا تھا۔ وہ تو آپ کو بھی معلوم ہے۔ اس کے بعد بھی اپنا بنک بھرتا رہا۔ مگر اب اُس نے بیگم صاحبہ کے کان میں یہ بات پھونکی کہ آپ کا زیور گھر میں

رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ شہر میں چوریاں ہو رہی ہیں۔ خدا برے وقت سے بچائے رکھے یہ زیور بنک میں رکھوا دیجئے اور اُس نے وہ سب زیور اپنے نام سے رکھوایا ہے۔''

مسعود نے تشویش کے ساتھ کہا۔''بابا یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ اس کی اطلاع تو بیگم صاحبہ کو ہو جانا چاہیے۔''

نازلی نے کہا۔''میں پوچھتی ہوں آپ کون ہیں اس فکر میں مبتلا ہونے والے میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ وہ بیگم صاحبہ کو جُل دے جائے۔ اور ایسا مزا چکھائے کہ وہ بھی یاد کریں۔''

مسعود نے کہا۔''نہیں نازلی باوجود تمام باتوں کے ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بیگم صاحبہ کے ہم پر بہت احسان ہیں۔''

نازلی نے کہا۔''مثلاً ایک احسانِ عظیم یہی ہے کہ ہم پر نہایت ناپاک الزامات لگا کر ہم کو گھر سے نکالا۔''

مسعود نے کہا۔''اس میں بھی ان کا نہیں بلکہ ان کی عقل کا قصور ہے کہ جو کچھ ان کو سمجھا دیا گیا وہ اس پر یقین کر بیٹھیں۔ ذرا غور تو کرو کہ وہ بیچاری کن خود غرضوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی ہیں اور قابلِ رحم حالت یہ ہے کہ ان ہی خود غرضوں پر ان کو اعتماد ہے۔''

خدا بخش نے کہا۔''آپ کے پاس وہ اجمل کے نام بنک والا خط موجود ہے نا۔''

مسعود نے کہا۔''بڑی حفاظت سے رکھا ہے۔''

خدا بخش نے ایک اور پرچہ دیتے ہوئے کہا۔''اور یہ بھی رکھ لیجیے۔ یہ ہیں بنک کی وہ رسیدیں جو زیور کی اس کو ملی ہیں۔ یہ بھی میں نے ٹہلا دی ہیں۔''

مسعود نے ہنس کر کہا۔''تمہارا بھی جواب نہیں ہے بابا۔ اچھا بابا یہ قصہ تو

دیکھا جائے گا مگر کان کھول کر سن لو کہ نازلی بی بی کی شادی میں تم کو میرا کافی ہاتھ بٹانا ہے۔ کاش کوئی ایسی صورت ہوسکتی کہ سعدیہ بھی آسکتیں۔"

خدابخش نے وعدہ کیا کہ "میں پوری کوشش کروں گا ان کو لانے کی اور خود بھی حاضر رہوں گا۔" اور اس کے بعد وہ رخصت ہوگیا۔

آج مسعود کی کوٹھی میں بڑی چہل پہل تھی۔ لان پر پُرتکلف شامیانے تنے ہوئے تھے۔ ایک شامیانے کے نیچے قالینوں پر قطاروں میں صوفے آراستہ تھے اور صدر میں ایک پر تکلف مسند تھی۔ جابجا چھوٹی چھوٹی میزوں پر گلدان، کسی پر خاصدان، کسی پر سگریٹ اور کسی پر سگار رکھے تھے۔ دوسرے شامیانے کے نیچے کھانے کی میزیں چنی ہوئی تھیں۔ لان پر ایک طرف فوجی بینڈ موجود تھا۔ ملازم صاف ستھری وردیوں میں نہایت مستعدی سے پھر رہے تھے اور مسعود کو برات کا انتظار تھا۔ مگر برات سے پہلے وہ سعدیہ کا منتظر تھا۔ اس لیے کہ خدابخش اس کو بتا چکا تھا کہ بیگم صاحبہ نے خط کا جواب تو نہیں بھیجا ہے، مگر یہ طے ہوا ہے کہ سعدیہ اس شادی میں شرکت کریں تا کہ اس تقریب کی مکمل رپورٹ بیگم صاحبہ کو واپس جا کر دے سکیں۔ مہمان کچھ آچکے تھے اور کچھ آرہے تھے۔ مسعود کے سب دوست اکرم، احسن اور اقبال مختلف انتظامات میں مصروف تھے۔ ریاض کی والدہ دراصل ابھی تھوڑی دیر پہلے تک یہیں تھیں۔ مگر اب زہرہ کو نازلی کے پاس چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں تھیں تا کہ برات کے ساتھ آسکیں۔ ان کی طرف سے برات کا اہتمام نہایت سادگی سے کیا گیا تھا۔ صرف دولہا اور اس کے چند دوست اور ایک آدھ عزیز آنے والے تھے۔ البتہ اِدھر اہتمام بہت تھا۔ مسعود جواب تک سعدیہ کے نہ پہنچنے سے کچھ مضطرب سا تھا ایک کار کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے پر پورٹیکو میں جا پہنچا۔ یہ دراصل اسی کی کار تھی

جس کا اسے شدت سے انتظار تھا۔ اس نے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''بڑی دیر کر دی سعدیہ تم نے۔ میں تو گھبرا رہا تھا۔''

سعدیہ نے کہا۔'' وہاں کسی طرح یہی طے ہونے میں نہ آتا تھا کہ تحفہ کیا بھیجا جائے۔ بیگم صاحبہ نے طے کیا تھا کہ وہ ایک آدھ زیور بھیجیں گی۔ مگر ان کے وزیر اعظم اجمل صاحب نے شاید اسی ڈر سے سارا زیور بینک میں رکھوا کر اس کی رسید ہی کہیں غائب کر دی ہے اور کچھ ایسی گڑبڑ کی ہے کہ وہ زیور کھٹائی میں پڑ کر رہ گیا ہے۔ آخر نقد روپے اور دو جوڑے بیگم صاحبہ نے بھیجے ہیں۔''

مسعود نے کہا۔'' خیر تم اندر چلو تم نے تو یہیں رام کہانی شروع کر دی۔''

وہ سعدیہ کو معہ سامان کے لے کر اندر پہنچا اور جب سعدیہ دلہن کو لپٹا چمٹا چکیں تو مسعود نے ان کو بلا کر کہا۔

''اب سوال یہ ہے کہ مجھے یہ تحفہ رکھنا بھی چاہیے یا نہیں۔''

سعدیہ نے کہا۔'' یہ سوال بڑا ٹیڑھا ہے۔ بہر حال میں پانچ سو روپے اور دو جوڑے لائی ہوں۔''

مسعود نے کہا۔'' خیر اس کو رکھوا بھی۔ خالہ جان برات کے ساتھ آتی ہوں گی ان سے بھی مشورہ کر لیا جائے پھر جو طے ہو وہ کیا جائے۔''

سعدیہ نے کہا۔'' صاحب میں تو خفیہ پولیس کی حیثیت سے آئی ہوں اور بیگم صاحبہ نے مجھ کو دراصل اس لیے بھیجا ہے کہ میں اس تقریب میں شرکت کر کے ان کو جا کر سب کچھ بتاؤں کہ کیا کیا ہوا۔''

مسعود نے کہا۔'' مجھے خدا بخش بابا سے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔''

سعدیہ نے کہا۔'' مگر آج میں نے اندازہ یہ کیا۔ ہے کہ بیگم صاحبہ کو اگر آپ جھوٹوں بھی بلا لیں تو وہ سچ مچ آ موجود ہوں گی۔ مثلاً اگر آپ وہاں چلے جائیں تو وہ یقیناً آپ کے ساتھ آ جائیں گی۔''

مسعود نے کہا۔'' کیا مطلب ہے تمہارا۔ یعنی تمہارے خیال میں مجھ کو وہاں جانا چاہیے ان کو لینے۔''

سعدیہ نے حیرت سے مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا۔'' ماشاء اللہ! ذہانت میں بڑی ترقی کی ہے آپ نے۔ میں نے ان کی کیفیت بتائی اور آپ سمجھ بیٹھے کہ میں آپ کو یہ غلط مشورہ دے رہی ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کے خط نے ان کی کیفیت میں بڑا انقلاب پیدا کیا ہے اور اب یہ محض وضعداری ہے کہ وہ کھنچی ہوئی ہیں ورنہ دراصل ان کا دل گواہی دے رہا ہے کہ انھوں نے آپ لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ البتہ شہناز اور اجمل بڑے پریشان ہیں کہ اب کیا ہونے والا ہے۔''

مسعود نے کہا۔'' وہ دونوں بے کار پریشان ہیں۔ میں ان کا کسی حیثیت سے بھی حریف نہیں ہو سکتا ان کا مطمح نظر بیگم صاحبہ کا روپیہ ہے جس سے مجھ کو کوئی سروکار نہیں۔ میں تو صرف یہ سوچتا ہوں کہ بیگم صاحبہ بہر حال میری محسن ہیں میں ان کے احسانات نہیں بھلا سکتا۔''

ابھی یہ دونوں باتیں ہی کر رہے تھے کہ پہلے تو بینڈ کے زمزمے گونجے اور اس کے ساتھ ہی خدا بخش نے اندر آ کر کہا۔ کہ برات آ گئی ہے استقبال کو چلیے۔ مسعود دوڑ کر باہر آ گیا اور اس نے اس موٹر سے جس میں ریاض صرف اس حد تک دولہا بنے بیٹھے تھے کہ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ آج ان کا لباس تھا اور گلے میں گوٹے کا خوبصورت سا ہار تھا۔ ریاض کو موٹر سے اتار لیا اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس کو شامیانے میں لے کر جا کر مسند پر بٹھا دیا۔ پھر وہ اس اہتمام میں مصروف ہو گیا کہ نکاح خوانی جلد سے جلد ہو جائے تا کہ لنچ میں دیر نہ ہو۔ اس نے احسن اور اقبال کو گواہ بنایا اور وکالت کے لیے اس کی نظر انتخاب خدا بخش پر پڑی۔ خدا بخش نے لاکھ عذر کیا

مگراس نے یہی کہا۔ کہ تمہاری موجودگی میں اس کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ چنانچہ یہ تینوں اندر گئے اور دلہن سے منظوری لا کر جب بارگاہ میں پہنچے تو خدا بخش نے نہایت وقار سے ”السلام علیکم“ کہہ کر سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ قاضی صاحب نے اس وکیل اور گواہوں سے سب کچھ پوچھ کر نکاح خوانی شروع کر دی اور خطبۂ نکاح کے بعد ادھر دعا میں مصروف ہوئے اُدھر حاضرین چھواروں پر ٹوٹ پڑے۔ نکاح کے بعد ہی مسعود کے اشارے پر اکبر اور احسن نے مہمانوں کو کھانے والے شامیانے میں چلنے کو کہا۔ اور جب حاضرین کھانے میں مصروف ہو گئے تو مسعود نے اسی وقت یہ کہہ کر اندر بھی کھانا بھجوانا شروع کر دیا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ مردوں سے چھٹی کر کے عورتوں کی باری آئے۔ گویا ہر معاملے میں لیڈیز فرسٹ اور اس معاملے میں لیڈیز لاسٹ۔ اندر کھانا پہنچوانے کی ذمہ داری خود بخود خدا بخش نے لے لی۔

مہمانوں کو رخصت کرنے میں اور باہر کے انتظامات سے فراغت پانے میں تقریباً چار بج گئے۔ اس وقت خدا بخش نے مسعود سے آ کر کہا۔ کہ آپ کو سعدیہ بی بی اندر بلا رہی ہیں اور مسعود جب اندر پہنچا ہے تو سعدیہ کو دروازے پر ہی منتظر پایا اور مسعود کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”جناب انتظام الدولہ صاحب سنا ہے کہ خود آپ اب تک روزہ رکھے پھر رہے ہیں۔“

مسعود نے کہا۔ ”ہاں بس اب میں بھی کھاؤں گا کھانا۔ تم لوگ تو کھا چکے ہونا۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اَب آپ باہر نہیں جا سکتے۔ اپنے کمرے میں تشریف لے چلیئے میں کھانا لگواتی ہوں وہیں۔“

مسعود حکم حاکم سے اطلاع پانے کے بعد تعمیل کے طور پر اپنے کمرے میں

جا کر پہلے تو ہاتھ منہ دھو کر آدمی بنا اور اس کے بعد غسل خانے سے جو نکلا تو سب ہی اس کے کمرے میں موجود تھے۔ ریاض کی والدہ نے کہا۔

”صدرحمت بیٹا۔ بھلا غضب خدا کا! یہ وقت ہونے کو آیا اور منہ باندھے پھر رہے ہو۔ وہ تو کہو بے چاری سعدیہ کو خیال آیا کہ نہ جانے کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں، ورنہ تم تو شاید گول ہی کر جاتے۔“

مسعود نے کہا۔ ”جی نہیں میں چاہتا تھا کہ سارے جھگڑے ختم کر کے ذرا اطمینان سے کھاؤں۔ اگر سچ پوچھیئے تو بھوک ہی نہ تھی۔“

خدا بخش نے یہیں چھوٹی میز لگا دی اور بیرے نے کھانا چن دیا تو سعدیہ نے کہا۔ ”اچھا اب تو روزہ افطار کر لیجیے۔“

مسعود ہنس کر کھانے کی میز کی طرف کھسک آیا اور اس نے کھانا کھاتے ہی میں ریاض کی والدہ سے کہا۔ ”خالہ جان کیا رائے ہے آپ کی بیگم صاحبہ کے روپے اور تحفہ رکھا جائے گا یا واپس ہوگا۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”بیٹا میری تو رائے ہے نہیں ویسے تو خود سمجھ لو۔“

ریاض نے کہا۔ ”سمجھنے کی کیا بات ہے ہم کو یہ چیزیں ہرگز نہ رکھنا چاہئیں۔“

مسعود نے سعدیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلے کے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”میری رائے یہ ہے کہ روپے صرف پانچ رکھ کر باقی واپس کر دیے جائیں اور لکھ دیا جائے کہ پانچ روپے تبرکاً رکھ لیے ہیں تا کہ آپ کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم کو آپ کے عطیے سے انکار ہے اور جوڑے بھی رکھ لیے جائیں!“

ریاض نے کہا۔ ”بس یہ فیصلہ قطعی ہے۔ حالانکہ جی نہیں چاہتا، مگر سعدیہ بہن بلاوجہ کوئی بات نہیں کہتیں۔“

مسعود نے کہا۔ ’’سعدیہ نے وہی کیا ہے جو دراصل میں کہنا چاہتا تھا۔‘‘

ریاض نے شرارت سے کہا۔ ’’آپ خواہ مخواہ اس ربط پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ ہم کو اس میں خود ہی کوئی شک نہیں ہے۔‘‘

اس پر سب ہی ہنس دیے، اور مسعود کھانے سے فارغ ہو کر یہ پرچہ لکھنے بیٹھ گیا تاکہ رخصتی کے انتظامات سے پہلے ہی یہ رقعہ سعدیہ کو دے دے۔

بیگم صاحبہ کے گھر میں آج بڈھے خدا بخش کی شامت آئی ہوئی تھی۔ بیگم صاحبہ کو ان کے مشیران خصوصی یعنی اجمل اور شہناز نے تان دیا تھا اور خدا بخش کے متعلق جانے کیا کیا ان کے کان بھرے تھے کہ وہ خدا بخش کی جان کو آ گئی تھیں۔ مگر خدا بخش بھی اکڑا ہوا تھا اور جس بات کو وہ خدا بخش کا قصور کہہ رہی تھیں خدا بخش اس کو قصور تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ نازلی کی شادی کے موقع پر مسعود نے خدا بخش کو نہایت اچھا جوڑا دیا تھا۔ بنارسی پگڑی، لٹھے کا پاجامہ، چکن کا کرتہ اور سلک کی شیروانی۔ اس کے علاوہ پچاس روپے بھی دیے تھے۔ بیگم صاحبہ اس کو اپنی توہین سمجھ رہی تھیں کہ ان کے ملازم کو کسی نے کچھ کیوں دیا اور اس ملازم نے بغیر ان کی اجازت کے یہ سب کچھ قبول کیسے کر لیا۔ جب اس سلسلے میں بیگم صاحبہ کے علاوہ اجمل نے بھی بڑھ بڑھ کر بولنا شروع کیا تو خدا بخش کا جی تو یہی چاہا کہ اسی وقت اجمل کی ساری قلعی کھول کر رکھ دے۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور صرف یہ کہہ کر رہ گیا۔

’’صاحبزادے آپ تو رہنے ہی دیجیے۔ مجھے آپ کی یہ باتیں سن کر وہ دن یاد آ رہے ہیں جب آپ انگلی پکڑ کر میرے ساتھ ریوڑیاں لینے جایا کرتے تھے۔ خدا کی شان کہ آج آپ بھی آنکھیں دکھا رہے ہیں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’خیر وہ تو صاحبزادے ہیں مگر تم نے تو اس بڑھاپے میں

بچپن کی حد ہی کردی کہ ان سے جوڑا اور روپے لے کر چلے آئے۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”خطا معاف۔ پہاڑوں کی ٹکر میں گلہری کا کون سا بیچ۔ آپ دونوں آج ایک دوسرے سے ناراض ہیں کل آپ پھر ایک ہوجائیں گے۔“

بیگم صاحبہ نے بڑی قطعیت کے ساتھ کہا۔ ”کون ایک ہوجائے گا...... میں؟...... خیر اس زندگی میں تو یہ ہو نہیں سکتا۔ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ مسعود نے ایک خط لکھ کر مجھ کو بیوقوف بنانے کی جو کوشش کی تھی، اس میں وہ کامیاب ہوگیا ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ اس خط کا مطلب کیا تھا۔“

اجمل نے کہا۔ ”اور جب یہ مطلب پورا نہ ہوا تو ان حضرت کو جگہ جگہ سے قرض لینا پڑا۔ میں نے اچھی طرح تحقیقات کرلی ہے کہ ڈھائی، تین ہزار کے مقروض ہوگئے ہیں حضرت۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”خیر تمہاری عقل تو گئی ہے چرنے یہ اصل میں مجھ کو سمجھایا گیا ہے کہ ہم کو تم سے صرف پانچ سو کی اُمید نہ تھی۔“

اجمل نے کہا۔ ”اور غیرت داری کا عالم یہ ہے کہ جوڑے پھر بھی رکھ لیے۔“

شہناز نے بڑے مدبّرانہ انداز سے کہا۔ ”خیر اس بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، مگر یہ بات واقعی بری ہوئی کہ خدا بخش یہ جوڑا اور یہ روپے لے کر آگئے۔ اس میں دراصل ہم سب کی توہین ہے کہ یہ چیزیں قبول کرلی جائیں۔“

اجمل نے کہا۔ ”اگر میری رائے مانی جائے تو میری تجویز یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے پانچ سو میں سے پانچ روپے رکھ کر باقی روپے واپس کردیے ہیں اسی طرح خدا بخش کے پچاس سے صرف ایک روپیہ رکھ کر باقی واپس کردیا جائے۔“

بیگم صاحبہ کو یہ رائے بے حد پسند آئی، اور وہ خوش ہوکر بولیں۔ ”ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے جواب کا جواب ہے اور جو گردن یہ حضرت اپنی عقل مندی سے جھکا آئے

ہیں وہ بھی اُٹھ سکے گی۔“

شہناز نے کہا۔ ”مگر خدا بخش کو خود جا کر کہنا چاہیے کہ آپ نے جو کچھ مجھ کو دیا تھا وہ میں نے لے لیا تھا اور اب واپس کرنے آیا ہوں۔ اس لیے کہ میں جن کا نمک خوار ہوں سنا ہے کہ ان کے ساتھ آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”مگر میں یہ نہیں کرسکتا۔“

بیگم صاحبہ نے ایک دم اپنے چہرے پر کرختگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں کر سکتے۔ آخر کیوں؟“

خدا بخش نے کہا۔ ”اس لیے کہ جس محبت سے انھوں نے مجھ کو یہ جوڑا اور یہ روپے دیے ہیں اس کا اندازہ آپ نہیں کرسکتیں میں کرسکتا ہوں۔“

بیگم صاحبہ کو خدا بخش کے اس باغیانہ جواب کی امید بھی نہ تھی۔ وہ ایک دم آگ بگولہ ہوگئیں۔ ”اخاہ بڑا ان کی محبت کا پاس ہے پچاس روپلّی کیا دے دیے ہیں کہ تم تو بک ہی گئے ان کے ہاتھوں۔ دیکھ رہی ہو شہناز میرے نمک کا اثر۔“

شہناز نے کہا۔ ”بڑے میاں سوال تو یہ ہے کہ تم نے مسعود کو آخر کس کے ذریعے سے جانا۔“

اجمل نے کہا۔ ”یہ بات نہیں ہے میں خدا بخش کو سمجھائے دیتا ہوں۔ دیکھو بھئی۔ یہ سچ ہے کہ ہاتھ آئی رقم واپس کرتے ہوئے دل کڑھتا ہے۔ مگر تم اس کا خیال نہ کرو، تمہارا یہ نقصان یہاں سے پورا کردیا جائے گا۔“

خدا بخش یہ سن کر، اور اجمل کے منہ سے سن کر غصے سے کانپ ہی تو گیا۔ مگر اس نے اپنے آپ کو بہت حد تک سنبھال کر کہا۔ ”کیا آپ پچاس روپے کا لالچ دے رہے ہیں اور کیا مجھ کو طعنے دئے جا رہے ہیں کہ میں بک گیا اور میں نے آپ لوگوں کی گردن جھکادی۔ مجھ کو آپ ان پچاس کی جگہ پچاس ہزار بھی دیں تو میں اس کے

لیے تیار نہیں ہوں کہ مسعود میاں کو جا کر یہ رقم واپس کروں اور ان سے یہ باتیں کہوں جو مجھ کو سکھائی جا رہی ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے بھی آواز کی پوری قوت کے ساتھ کہا۔ ”یہ تیوریاں بدل بدل کر بات کس طرح کر رہے ہو تم۔ اللہ اکبر۔ اب اتنی مجال بھی ہو گئی ہے کہ آپ میرے سامنے یوں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہے ہیں۔ خدا کی شان! لو اور سنو موری کی اینٹ چوبارے چڑھی۔“

خدا بخش نے بڑی عاجزی سے نہایت سخت بات کہی۔ ”خدا نہ کرے کہ میں آپ سے گستاخی کرنے کی جرأت کروں۔ میں نمک کے حق کو سمجھتا ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہی کا درجہ میں ان سب کو بھی دے دوں جن کو آپ اپنی آستین میں پال رہی ہیں۔“

شہناز نے غصے سے کانپ کر کہا۔ ”بیگم صاحبہ کی جگہ اگر میں ہوتی تو کان پکڑ کر تم کو نکلوا دیتی۔“

خدا بخش نے طنز سے مسکرا کر کہا۔ ”اسی لیے آپ بیگم صاحبہ کی جگہ نہ ہو سکیں۔“

بیگم صاحبہ اپنے ہی تاؤ میں خود ہی جل کر تھک سی گئیں تھیں۔ آخر انھوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ مسعود کا جادو تم پر پوری طرح اثر کر چکا ہے۔ اب تم اسی کے پاس جا کر رہو، اس گھر میں تمہارا کوئی کام نہیں۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”اگر میری زندگی بھر کی خدمت کا یہی صلہ ہے تو میں جا رہا ہوں سرکار، مگر ایک بات چلتے چلتے عرض کیے جاتا ہوں کہ جب حضور کو اپنے صحیح ہمدردوں کی ضرورت ہو اس وقت یاد کر لیجیے گا۔ سرکار ہم تو دستر خوان کی مکھیاں اڑانے والوں میں سے تھے، اب یہ ہماری قسمت کہ حضور کو مکھیاں اُڑانے والوں کی خدمت

پسند نہ آئی اور خود مکھیاں پسند آ گئیں۔“

اجمل تو غور ہی کرتے رہ گئے مگر شہناز نے بیگم صاحبہ سے کہا۔ ”آپ اپنے اس بڈھے ملازم سے اور کیا کیا سنوانا چاہتی ہیں۔ ہم گویا آپ کے دستر خوان کی مکھیاں ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے شہناز کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم بھی کس کی باتوں کا خیال کرتی ہو۔ وہ مسعود کے زر خرید غلام بنے ہوئے ہیں۔ ایک تو عمر ہی وہ ہے جب دماغ ٹھکانے نہیں رہتا اوپر سے طرّہ یہ کہ دماغ خراب کرنے والے بھی مل گئے ہیں۔“

شہناز نے کہا۔ ”کاش مجھ کو اختیار ہوتا کہ میں دماغ درست کر سکتی۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”یہ اختیار کسی اور پر ہو سکتا ہے خدا بخش پر نہیں۔“

شہناز نے گرج کر کہا۔ ”بکومت۔“

اور بیگم صاحبہ نے فوراً خدا بخش سے کہا۔ ”دور ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ اور اسی وقت کوارٹر خالی کر دو۔“

خدا بخش نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ ”میں جا رہا ہوں مگر مجھے معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت پڑے گی اور میری ہی کیا ان کی ضرورت پڑے گی جو آپ کے ہیں مگر آپ جن کو اپنا نہیں سمجھتیں۔ سعدیہ بی بی سے کہیے کہ میری تلاشی لے لیں۔ میں جا رہا ہوں۔“ اور یہ کہہ کر خدا بخش وہاں سے چلا آیا اور اس نے دیکھا کہ سعدیہ اپنے کمرے میں اضطراب کے ساتھ ٹہل رہی ہے۔ وہ سب کچھ سن رہی تھی مگر اس منظر پر آنا نہ چاہتی تھی مگر اس کو جو قلبی اذیت تھی وہ اس کے چہرے سے نظر آ رہی تھی۔

خدابخش کے آجانے کے بعد مسعود کو طرح طرح کی تشویشوں نے گھیر رکھا تھا۔ بات یہ ہے کہ جب تک خدابخش وہاں رہا مسعود کو یہ اطمینان تھا اجمل اور شہناز خواہ کوئی وقتی فائدہ اٹھالیں، مگر بیگم صاحبہ کو اس قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے جس کی تلافی ہی نہ ہو سکے۔ مگر اب بقول مسعود کے وہ ہر طرف سے خطرے ہی میں گھری ہوئی تھیں۔ اور اب میدان صاف پا کر اجمل ہاتھ کی کافی صفائیاں دکھائے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ کوئی لمبا ہاتھ مار دے۔ اس کے علاوہ اس کو سب سے بڑی فکر سعدیہ کی تھی کہ اب وہ بالکل تنہا رہ گئی ہے اور اس کو اندیشہ تھا کہ اجمل اور شہناز کی ملی بھگت کہیں اس کو کسی سازش کا شکار نہ بنادے۔ پھر یہ کہ اب بیگم صاحبہ کے گھر کے حالات ان سب کے لیے بالکل تاریکی میں تھے اور کسی کو کچھ پتہ نہ تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

آخر اس نے نازلی، ریاض اور ریاض کی والدہ کے علاوہ خدابخش کو بھی اس مشورے میں شامل کیا کہ اب آخر کرنا کیا چاہیے۔ ان سب کی متفقہ رائے یہ تھی کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور اب بھی اگر بیگم صاحبہ کے سامنے اجمل کو بے نقاب نہ کیا گیا تو وہ نہ جانے کیا کر گزرے۔ آخر یہی طے پایا کہ ریاض کو بیگم صاحبہ کے سلام کے لیے جانا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سے براہ راست ان کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ریاض وہاں جا کر بیگم صاحبہ کو بینک کا وہ خط بھی دکھادے، زیوروں کی رسید بھی دکھادے اور بیگم صاحبہ کو آخری طور پر آگاہ کر دے کہ ان کو کس طرح یہ خودغرض اندر ہی اندر کھوکھلا کر

رہے ہیں اور اگر ان کی آنکھیں کھل جائیں تو اور چاہیے ہی کیا۔ اور اگر وہ پھر بھی اجمل اور شہناز کے ہاتھوں کی کٹ پتلی بنی رہیں تو ان کی مرضی۔ بہرحال اس کے بعد کوشش کی جائے گی کہ سعدیہ بھی وہاں نہ رہنے پائے۔

اس قرارداد کے بعد جب ریاض بیگم صاحبہ کی کوٹھی میں پہنچا ہے اس کو وہ دن یاد آگیا جب وہ شہناز کو لے کر ان کے گھر آیا تھا۔ اس لیے کہ وہی سبزہ زار تھا اور اسی طرح بیگم صاحبہ اپنا دربار لگائے بیٹھی تھیں۔ ریاض کو ایک دم سے دیکھ کر اجمل کے تو ہوش ہی اُڑ گئے۔ مگر شہناز اور بیگم صاحبہ کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ حضرت آج کہاں آنکلے۔ چنانچہ ان کو دیکھتے ہی بیگم صاحبہ نے کہا۔

”یہ آج کہاں راستہ بھول گئے۔“

ریاض نے کہا۔ ”جی نہیں بلکہ آج بھولا ہوا راستہ یاد کیا ہے۔“

شہناز نے وار کیا۔ ”خیر ملاقات تو ہوگئی۔ اب معلوم صرف یہ کرنا ہے کہ تقریب ملاقات کیا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے سعدیہ سے کہا۔ ”ارے بھئی ان کے لیے کچھ چائے کافی وغیرہ تو منگاؤ۔ یہ تو ایک رشتے سے اس گھر کے داماد بھی ہو چکے ہیں۔“

ریاض نے کہا۔ ”تقریب ملاقات بجائے میرے آپ نے بتانا شروع کردی۔ دراصل اس قصے کے بعد سے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ اس نئی حیثیت سے آپ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہو جاؤں، مگر اس خیال سے ہمت نہ ہوتی تھی کہ خدا جانے آپ اس نئی حیثیت کو تسلیم بھی کریں گی یا نہیں اور ایسا نہ ہو کہ میری حاضری کا کوئی غلط مفہوم آپ کو سمجھا دیا جائے۔“

چور کی داڑھی میں تنکا۔ شہناز نے بل کھا کر کہا۔ ”سمجھا دیا جائے سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ گویا بیگم صاحبہ اپنی ذاتی سمجھ سے کام لیتی ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو

دوسرے سمجھایا کرتے ہیں۔''

ریاض نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا شہناز بیگم میری مخاطب آپ نہ تھیں۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''مگر پھر بھی معلوم تو ہو کہ اس سے تمہارا مطلب کیا تھا۔''

ریاض نے کہا۔ ''میں سب کچھ عرض کر دوں گا۔ بشرطیکہ مجھ کو تھوڑی دیر صرف آپ سے بات کرنے کا موقع مل جائے۔ جو باتیں میں کرنا چاہتا ہوں وہ اتنی اہم ہیں کہ ان کی اہمیت کی آپ خود قائل ہو جائیں گی۔ مگر وہ باتیں مجمع عام میں نہیں ہو سکتیں۔''

شہناز نے کہا۔ ''غالباً آپ کی مراد مجھ سے ہے تو میں جا سکتی ہوں۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''اور لڑکیوں کو بھی لیتی جاؤ۔ میں ان سے بات کر کے سب کو بلوا لوں گی۔ اجمل صاحب ذرا آپ بھی اندر ہی تشریف رکھیے۔''

ریاض کو امید نہ تھی کہ بیگم صاحبہ اتنی جلدی تخلیہ کر دیں گی۔ سب کے جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا۔

''بات کیا ہے آخر۔''

ریاض نے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔ بہر حال میں بات شروع کرتا ہوں تسلسل خود ہی پیدا ہو جائے گا۔ بیگم صاحبہ بات یہ ہے کہ میں اس وقت نہ مسعود کے متعلق آپ سے کچھ کہنے آیا ہوں نہ نازلی کے متعلق۔ البتہ خدا بخش کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ہم سب جس میں مسعود بھی شامل ہے نازلی بھی اور میں بھی ہوں اس کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو کم از کم آگاہ ضرور کر دیں کہ خود آپ کن خطروں میں گھری ہوئی ہیں۔ آپ پہلے مجھ سے پوری بات سن لیجیے اس کے بعد چہرے پر خواہ طنز پیدا کیجئے خواہ استعجاب۔ میں خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ میرے پاس اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لیے

دستاویزی ثبوت بھی موجود ہیں۔ دراصل آپ کو جن غلط فہمیوں میں مبتلا کر کے ان لوگوں سے دور رکھا گیا جن کی موجودگی میں دال گلنا مشکل تھی ان غلط فہمیوں کی تو پروا اس لیے نہ کی گئی کہ غلط فہمیوں کو تو وقت خود ہی دور کر دیتا ہے۔ مگر اب خدا بخش کے بھی چلے جانے کے بعد جب یہ اندازہ ہوا کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور ڈبونے والے آپ کو ڈبو کر ہی دم لیں گے، ہم سب اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو صرف اتنا بتا دیں کہ آپ پر جو جان چھڑکنے والے اس وقت جان چھڑک رہے ہیں وہ آپ کے نہیں بلکہ آپ کی دولت کے دوست ہیں۔''

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا۔ ''ریاض میاں کتنی ہلکی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ غالباً آپ میرے متعلق صرف یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک عورت ہوں اور مجھ کو جس کا جی چاہے وہ دھوکہ دے جائے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ غلط ہے۔ نواب نظام الدولہ جب اللہ کو پیارے ہوئے ہیں میری عمر ہی کیا تھی۔ مگر میں نے اتنی بڑی ریاست خود ہی تو سنبھالی۔ کیسے کیسے میرے گاہک پیدا ہوئے کوئی ہزار جان سے عاشق ہے، تو کوئی سنکھیا کھائے لیتا ہے، کوئی میرے لیے دنیا کو چھوڑنے کو تیار ہے تو کوئی عرش کے تارے اتار لانے کا دعویدار ہے۔ اے میاں، ایک صاحب نے تو بادل کو دیکھ کر گھڑے ہی پھوڑ دیے۔ اپنی دو بچوں کی ماں جورو کو طلاق دے کر میرے دروازے پر دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ مگر میں ان سب کو جانتی تھی۔ یہ سب میری دولت کے بھوکے تھے۔ حالانکہ صورت شکل کی بھی بری نہ تھی۔ جوانی بھی تھی۔ زندگی کے کچھ ارمان بھی ہوں گے۔ مگر جوانی کو اتنا اندھا ہونے نہ دیا کہ خود غرضوں کی خود غرضیاں بھی بجھائی نہ دیتیں۔ جب میں اس وقت دھوکہ نہ کھا سکی تو اب مجھ کو کون دھوکہ دے سکتا ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''اگر میں ثابت کر دوں کہ آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے اور آپ

نے دھوکے کھائے ہیں تو؟"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "تو میں اتنی ہٹ دھرم بھی نہیں ہوں کہ اپنی بات پر اڑی رہوں گی۔"

ریاض نے کہا۔ "بس یہی میں آپ سے وعدہ لینا چاہتا تھا۔ اچھا اب آپ مجھ کو یہ بتائیے، یہ جو آپ کے مدارالمہام ہیں اجمل صاحب، ان کی کچھ ذاتی آمدنی بھی ہے۔ یا ان کے پاس کچھ اپنی دولت بھی ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "نہیں خیر اس بیچارے کی ذاتی آمدنی کیا ہوتی اور دولت کا کیا سوال۔ میرے غریب رشتے دار کا بچہ ہے۔ میں نے اس کو اسی لیے سمیٹ لیا تھا کہ شاید کچھ لکھ پڑھ جائے۔"

ریاض نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے پاس کچھ ذاتی دولت نکل آئے تو وہ گویا آپ ہی کے گھر سے اُڑایا ہوا پیسہ ہوگا۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے بینک کا کاغذ جس میں اب سے بہت پہلے سینتیس ہزار جمع ہو چکے ہیں، ان کے ذاتی حساب میں۔ اور جب سے اب تک تو نہ جانے اور کتنی رقم بینک پہنچ چکی ہوگی۔"

بیگم صاحبہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ کاغذ دیکھ کر کہا۔ "یہ ان کا ذاتی اکاؤنٹ کہا۔ں سے آیا۔"

ریاض نے کہا۔ "دیکھ لیجیے جہاں سے بھی آیا ہے یہ موجود ہے اور اب سن لیجیے کہ آپ کے جو زیور بینک میں رکھے گئے ہیں وہ بھی آپ کے نام سے نہیں بلکہ اپنے نام سے رکھے گئے ہیں جن کی یہ رسید ہے۔" بیگم صاحبہ نے رسید بھی لے کر دیکھی اور ایک سناٹے میں آکر کہا۔ "خوب یہ تو گویا الٹی چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔"

ریاض نے تفصیل سے بتایا کہ جس دن آپ نے گھر کے حسابات کی جانچ پڑتال مسعود کے سپرد کی ہے اسی کے تین چار دن کے بعد نازلی اور مسعود کے سلسلے میں آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھا کر وہ منظر دکھا دیا گیا، جب مسعود نازلی کو سمجھا رہا تھا کہ تم میری امیدوار نہ بنو، بلکہ مجھ سے بھائی کی محبت حاصل کرو۔ بیگم صاحبہ نے غور سے سب کچھ سنا اور وہ دونوں کاغذ اپنے پاس رکھتے ہوئے کہا۔ کہ ریاض میاں اس وقت میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ لیکن اگر آپ مجھ سے اب ملتے رہیں تو مجھ کو بڑی تقویت حاصل ہوگی۔ ریاض پھر ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا اور اس کو رخصت کرتے ہوئے بیگم صاحبہ نے ایک نہایت قیمتی گھڑی اس کے ہاتھ پر یہ کہہ کر باندھ دی کہ یہ سلام کرائی ہے۔ ریاض انکار نہ کر سکا۔

iqbalmt@oneurdu.com scanned by

اجمل اور شہناز کا جو متحدہ محاذ بنا ہوا تھا اس نے اجمل کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ گویا شہناز اس سے اس حد تک قریب آ چکی ہے کہ اب وہ اس سے دور نہیں رہ سکتا۔ اور اس کو یہ بھی اُمید تھی کہ بیگم صاحبہ کے سامنے یہ تجویز پہنچا دی جائے تو وہ یقیناً خوش ہونگی اور یہ نسبت طے کرادیں گی۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ تک اس بات کو پہنچانے سے پہلے وہ شہناز کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دے۔ البتہ اس کو اس نسبت میں صرف ایک ہی خرابی نظر آتی تھی کہ شہناز وقت بے وقت انگریزی بولنا شروع کر دیتی تھی۔ خصوصاً ان حالات میں جب اس کو کسی پر غصہ آیا ہو یا ان حالات میں جب وہ کسی پر محبت چھڑک رہی ہو۔ میاں بیوی کے درمیان عام طور پر یہی دو حالات ہوتے ہیں۔ یعنی اگر تعلقات خوشگوار ہیں تو ہر وقت محبت ہی محبت اور ناگوار ہیں تو ہر وقت کھٹ پٹ ہی کھٹ پٹ۔ اور ان دونوں ہی صورتوں میں انگریزی کا خطرہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو اتنا جاہل سمجھتا تھا جتنا شہناز کو پڑھا لکھا سمجھ کر ڈرتا رہتا تھا۔ مگر شہناز اس سے اس قدر گھل مل گئی تھی کہ اس کو پورا یقین تھا کہ اگر وہ عورت ذات نہ ہوتی تو اب تک غالباً خود ہی یہ تحریک کر چکی ہوتی۔ بہر حال وہ طے کر چکا تھا کہ چونکہ میں خود عورت ذات نہیں ہوں۔ لہٰذا یہ تحریک مجھ کو کر دینا چاہیے۔

آج شہناز غسل کے بعد اپنے بال سکھانے کے لیے باغیچہ میں ٹہل رہی تھی۔

اس کی دھانی ساری، اس کے سُنہری بال، باغ کی بہار آفریں فضائیں لہلہاتا ہوا سبزہ ان سب نے مل کر اجمل کو ایسا بے وقوف بنایا کہ آپ بھی تاروں والے بُرش سے اپنے بال سمیٹ کر سنو لگا کر چہرے پر تازگی پیدا کر کے ٹہلتے ہوئے اسی طرف جا نکلے، اور بڑی دیر سے جو ابتدائی جملہ تیار کر رہے تھے وہ جا کر کہہ ہی تو دیا۔

”معلوم نہیں اس چمن کی وجہ سے آپ اچھی معلوم ہو رہی ہیں یا آپ کی وجہ سے چمن اچھا معلوم ہو رہا ہے۔“

شہناز نے ایک دم ٹھٹک کر کہا۔ ”آج آپ نے کیا کھایا تھا دوپہر کو؟“

اجمل نے کہا۔ ”آپ کے ساتھ ہی تو کھایا تھا جو کچھ آپ، نے کھایا۔“

شہناز نے کہا۔ ”جی ہاں! یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز بعض لوگوں کو نقصان نہیں کرتی اور بعض کو نقصان کر جاتی ہے۔ اب دیکھ لیجیے آپ کو نزلہ پیدا ہو گیا۔“

اجمل نے حیرت سے کہا۔ ”نزلہ؟۔ مجھے تو نزلہ نہیں ہوا ہے۔“

شہناز نے کہا۔ ”جی ہاں نزلے کی یہ قسم مریض کو محسوس نہیں ہوتی۔“

اجمل نے الجھ کر کہا۔ ”لاحول ولاقوۃ! کہا۔ں آپ نزلے کا ذکر لے دوڑیں۔ میں اس وقت کچھ اور ہی باتیں کرنے آیا تھا۔“

شہناز نے کہا۔ ”یہی نا کہ میں اس وقت آپ کو اچھی معلوم ہو رہی ہوں اور آپ حیران ہیں کہ میری وجہ سے چمن آپ کو اچھا معلوم ہو رہا ہے یا چمن کی وجہ سے میں۔“

اجمل نے کہا۔ ”واقعی یہ بات کیا ہے۔“

شہناز نے کہا۔ ”اجمل صاحب اللہ جانتا ہے اس میں باغیچہ کا کوئی قصور نہیں۔ اگر باغیچہ کی وجہ سے کوئی کسی کو اچھا معلوم ہو سکتا تو اسی باغیچہ میں آپ بھی موجود ہیں۔ مگر قسم لے لیجیے جو اچھے معلوم ہو رہے ہوں۔“

اجمل نے احمقانہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کیا بات کہی ہے۔ مگر میں اکثر غور کرتا

ہوں کہ جو اتفاق ہم دونوں میں ہے اور جس قدر ہم دونوں کی طبیعتیں ملتی جلتی ہیں کسی اور کی شاید ہی ملتی ہوں۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’ہاں یہ تو ہے۔ اچھا پھر۔‘‘

اجمل نے الفاظ ڈھونڈھنے میں ناکام رہ کر کہا۔ ’’آپ آخر مجھ سے کیوں کہلوانا چاہتی ہیں۔ آپ کو تو خود معلوم ہوگا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ وہی مثل کہ ؎

نہ ہم سمجھے نہ وہ سمجھے ہوا کیا
نگاہوں نے نگاہوں سے کہا کیا‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’یہ تو بہت پُرانا مرض عود کر آیا کہ آپ شعر پڑھنے لگے۔ مگر کیا اللہ نہ کرے میری نگاہوں نے بھی آپ سے کچھ کہہ دیا ہے۔‘‘

اجمل نے کہا۔ ’’یہ تو خود آپ اپنے دل سے پوچھئے۔ ایمان سے کہیے گا کہ آپ کا دل مجھ سے کچھ کہنے کو نہیں چاہتا۔‘‘

شہناز نے بڑی سادگی سے کہا۔ ’’چاہتا کیوں نہیں۔‘‘

اجمل نے سراپا التجا بن کر کہا۔ ’’کیا کہنے کو جی چاہتا ہے۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’میرا جی چاہتا ہے کہ بڑی زور سے آپ سے کہوں کہ شٹ اپ یو ایڈیٹ۔‘‘ اور اسی وقت ایک ایسا قہقہہ گونجا جس سے یہ دونوں بھی چونک پڑے۔ بیگم صاحبہ ایک درخت کی آڑ سے ہنستی ہوئی سامنے آ گئیں اور یہاں اجمل کا یہ حال کہ ع

’’کاٹو تو لہو نہیں بدن میں‘‘

بیگم صاحبہ نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

’’کتنا اچھا جواب دیا ہے تم نے شہناز۔ تو گویا جناب عشق فرما رہے تھے۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’ذرا غور تو کیجئے بقول شخصے ؎

ابھی تو نہ تھے ان کے مرنے کے دن
خدا جانے کس کی نظر کھا گئی‘‘

بیگم صاحب نے کہا۔ ’’خدا خیر کرے اب تو تم بھی ان کی طرح شعر پڑھنے لگی ہو۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’مگر آج ان کو ہوا کیا ہے۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’ہوتا کیا، بس ہو گئے بیچارے بے قابو۔ عشق ایک تو یوں ہی عقل کا گاہک ہوتا ہے پھر ان کا سا عقلمند۔ مگر ایک بات میں بتا دوں، یہ حضرت ہیں حرفوں کے بنے ہوئے۔ یہ جو ان کی بیوقوفی ہے یہ سب دکھاوے کی ہے اور یہ بیوقوف ہی بن کر دوسروں کو بیوقوف بناتے ہیں۔‘‘

اجمل نے گھبرا کر کہا۔ ’’یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟ میں بھلا کیا کسی کو بیوقوف بناؤں گا۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’بس اب اس بات کو یوں ہی رہنے دیجئے اور کان کھول کر سن لیجیے کہ اگر آئندہ میں نے اس قسم کی بات سنی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ ایسے ہی دل کے ہاتھوں مجبور ہیں آپ تو کسی ایسی لڑکی کا انتخاب کیجئے جو آنکھ کی بھی اندھی ہو اور عقل کی بھی اندھی کہ وہ آپ کو قبول کر لے۔‘‘

شہناز نے کہا۔ ’’افسوس تو یہ ہے کہ آپ نے ادھوری بات سنی اور آپ ہنس دیں، ورنہ میں تو آج ان کے مزاج درست کرنے والی تھی۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’بھلا کوئی پوچھے ان عقل کے دشمن سے کہ تم میں آخر خوبی کیا ہے کہ ایک لکھی پڑھی لڑکی تمہارے جہل کو بھی گوارا کر لے گی ایک سمجھدار لڑکی تمہاری حماقت کو بھی قبول کر لے گی ایک قبول صورت لڑکی تمہاری شکل و صورت پر بھی غور نہ کرے گی۔ بھئی صورت نہ ہوتی تعلیم ہوتی تعلیم نہ ہوتی۔ تو دولت ہوتی۔ دولت

بھی نہ سہی کوئی ہنر ہوتا۔ مگر ہر خانہ تو عقل کے خانے کی طرح خالی ہے اور پھرتے ہیں حضور دل اچھالتے ہوئے۔"

اجمل نے بڑی چالاکی کے ساتھ کہا۔ "آپ کے زیر سایہ ہوں تو مجھ میں سب ہی خوبیاں ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "جی اور کیا وہی مثل کہ پرائے برتے کھیلا جوا، آج نہ مواکل موا۔ میرے زیر سایہ رہ کر آپ نے کون سی تعلیم حاصل کر لی یا کون سا ہنر سیکھ لیا۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی بھی میرے ہی سر پر لانے والے ہیں۔ اگر یہ ارادہ ہے تو پہلے ہی سے سن لیجیے کہ نہ میں آپ کی ذمہ دار ہوں نہ آپ کی ذمہ داریوں سے میرا کوئی سروکار ہے۔"

اجمل کے لیے یہ جملہ سخت تشویش ناک تھا۔ مگر اس نے اس بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا۔ "میری ذمہ دار آپ نہیں تو اور کون ہے۔ میرے لیے تو اوپر خدا ہے نیچے آپ۔ اور میرا بیٹھا ہی کون ہے۔ آپ لاکھ بری الذمہ بنیں مگر میرا ٹھکانہ تو اسی گھر کی چوکھٹ ہے ع

بستر بھی یہیں تھا مری تربت بھی یہیں ہے"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "اللہ مبارک کرے گویا تربت بھی بنا چکے ہیں آپ۔ بہرحال میں مذاق نہیں کر رہی ہوں بلکہ آپ کے کان کھول دینا چاہتی ہوں کہ مجھ کو آپ کچھ ضرورت سے زیادہ بیوقوف نہ سمجھیں۔ جائیے جا کر چائے بھیجیے۔" اور جب وہ جانے لگا تو شہناز نے ٹوکا۔ "اور سنیے میں شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو یہ سب کچھ سننا پڑا۔ آئندہ سے ہم دونوں صرف دوست رہیں گے یہ حماقت اب درمیان میں نہ لائیے گا۔ واقعی مجھے آپ پسند نہیں ہیں ورنہ میں آپ کا دل ہرگز میلا نہ کرتی۔"

اجمل تو یہ سن کر چلا گیا اور یہاں بیگم صاحبہ اور شہناز دونوں دیر تک ہنستی رہیں۔

جب سے ریاض نے بیگم صاحبہ کی آنکھیں کھولی تھیں وہ سخت تشویش میں مبتلا تھیں کہ نہ جانے اس اجمل نے چپکے چپکے ان کی جڑیں کس حد تک کاٹ دی ہیں۔ وہ کھلم کھلا کچھ کہنا بھی نہ چاہتی تھیں۔ اس لیے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ اجمل ان کو منجدھار میں چھوڑ کر چلتا بنے۔ مگر خاموش رہنا بھی قرین مصلحت نہ تھا اس لیے کہ اسی خاموشی سے اب تک اس نے نہ جانے کتنے فائدے اٹھائے تھے اور اگر اب بھی خاموش رہا جاتا تو وہ اور بھی اپنی لوٹ مار جاری رکھتا۔ بیگم صاحبہ نہایت غور و فکر کے بعد کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہتی تھیں کہ سیدھی انگلیوں گھی نکل آئے۔ مگر اِس قسم کی کوئی ترکیب ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر بڑے غور و فکر کے بعد انھوں نے طے کیا کہ صرف سعدیہ ایسی ہے جس کو اپنے اعتماد میں لے کر کوئی صورت ایسی پیدا کی جائے کہ اجمل خود ہی سب کچھ اُگل دے۔ بیگم صاحبہ کے ذہن میں جو نقشہ تھا اس میں صرف سعدیہ کا تعاون ہی رنگ بھر سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دن انھوں نے سعدیہ کو نہایت رازداری کے ساتھ اس قصے کی پوری تفصیل سنا دی اور ریاض نے جو کچھ ان کو بتایا تھا وہ بھی سعدیہ کو بتا کر یہاں تک کہہ دیا کہ

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہی وارے نیارے کرنے کے لیے اِس اجمل نے مسعود اور نازلی پر اتنا بڑا بہتان لگایا تاکہ یہ دونوں دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیے جائیں اور اس کے بعد وہ من مانی کرے۔"

سعدیہ، بیگم صاحبہ کی مزاجی کیفیت کے اس مبارک انقلاب سے جس قدر خوش ہوسکتی تھی وہ ظاہر ہے۔ مگر اس نے بیگم صاحبہ کی اس بدلی ہوئی کیفیت کا اور بھی تفصیل سے مطالعہ کرنے کے لیے کہا۔ ”ممکن ہے آپ کا یہ خیال درست ہو۔ مگر اجمل اتنے گہرے آدمی تو نظر آتے نہیں کہ وہ ایسی گہری چال چل جائیں۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”بیٹی تم کیا جانو وہ بنا ہوا احمق ہے ورنہ وہ ایسا چلتا پرزہ ہے کہ اپنی اس بیوقوفی سے دوسروں کو بے وقوف بنائے رہتا ہے۔ ریاض سے جو باتیں معلوم ہوئی ہیں کیا۔ ان کے بعد بھی تم کو اس کی خباثت میں کوئی شک ہے۔“

سعدیہ نے بن کر کہا۔ ”میں تو حیران ہوں یہ سُن کر، اور عقل کام نہیں کرتی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”مگر اس کو بھی میں ایسا مزہ چکھا سکتی ہوں کہ زندگی بھر یاد کرے۔ بشرطیکہ تم ذرا میرا ساتھ دے دو۔“

سعدیہ نے بڑی حیرت سے کہا۔ ”تو کیا آپ کو میرے متعلق یہ بھی خیال ہے کہ میں شاید آپ کا ساتھ نہ دوں۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”یہ بات نہیں ہے۔ مجھے تم سے بڑی بڑی توقعات ہیں اور اس کو تو خود تمہارا دل ہی جانتا ہوگا کہ مجھ کو جو بھروسہ تم پر ہے، وہ کسی اور پر نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ مگر بظاہر وہ صورت ہے بڑی بیہودی اور مکروہ قسم کی۔ مگر اتنا میں بتائے دیتی ہوں کہ وہی ایک صورت ہے جو اس ڈوبے ہوئے روپے کو نکلوا سکتی ہے اور یہ زیور بھی واپس آسکتا ہے۔“

سعدیہ نے بڑی مستعدی سے کہا۔ ”اگر واقعی ایسی صورت ہے اور میری مدد سے کامیابی کی امید ہے تو آپ مجھ کو ہر ایثار پر تیار پائیں گی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”ایثار کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ سعدیہ بی بی بس تم کو تھوڑی بہت اداکاری کرنا پڑے گی۔ لو اب مجھ سے صاف سُن لو کہ میری تجویز یہ ہے کہ میں اجمل کو بلا کر یہ خبر سنائے دیتی ہوں کہ میں نے تمہارے لیے سعدیہ کا انتخاب کیا ہے۔“

سعدیہ نے ایک دم چیخ کر کہا۔ ”اوہ خدا! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بات تو سنو میری۔ توبہ کر لو بھلا ایسی عقل کی اندھی ہوگئی ہوں میں کہ یہ بات سچ مچ کرنے بیٹھ جاؤں گی۔ میں اُس سے یہ کہوں گی کہ میں یہ رشتہ طے کر چکی ہوں اور اس رشتے کے ساتھ ہی میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں کے حق میں وصیت نامہ بھی لکھ کر رجسٹری کرادوں۔ ظاہر ہے کہ یہ سُن کر وہ دیوانہ ہوجائے گا۔ میں اس سے کہوں گی کہ سب سے پہلے بینک سے زیور نکلواؤ تاکہ میں سعدیہ کے لیے ان میں ضروری ردوبدل کراؤں اور جس قدر جلد ہوسکے اس فرض سے سبکدوش ہوجاؤں۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”ترکیب تو لاجواب ہے۔ وہ یقیناً تمام زیور لا کر آپ کے حوالے کردے گا۔ مگر اس نقد رقم کا کیا ہوگا جو وہ اپنے نام سے جمع کرا چکا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”وہ رقم تم نکلوا سکتی ہو نہایت۔ آسانی سے میں اس کو تمہارے پاس بھی یہ کہہ کر بھیجوں گی کہ دیکھو بھئی اجمل، میں ہوں نہایت آزاد خیال لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ تم براہِ راست سعدیہ سے بھی بات کرلو۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”خدا کے لیے بس یہ نہ کیجئے گا۔ میں اس نقل کو بھی گوارا نہیں کرسکتی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تم ہو پاگل۔ زہریلے جراثیم کو مار کر صحت یاب ہونے کے لیے کڑوی دوائیں بھی پینا پڑتی ہیں۔ دوسرے کیا تم کو اس خیال سے مسرت نہ ہوگی کہ جو اپنے کو اتنا چالاک سمجھتا ہے اسی کو تم ایسی شکست فاش دوگی کہ وہ بھی یاد کرے گا کہ واقعی ہر فرعونے راموسیٰ والی بات کتنی سچی ہے۔ بہرحال جب وہ

تمہارے پاس جائے تو تم صرف یہ کہنا کہ مجھ کو اس نسبت سے تو کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر بیگم صاحبہ کا کیا اعتبار آج وہ خوش ہیں تو سب کچھ کر رہی ہیں۔ کل اگر ناراض ہوگئیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ میں اس بُرے وقت کے خوف سے یہ طے کر چکی ہوں کہ کچھ اپنے پاس بھی ہونا چاہیے۔ اگر آپ کسی صورت سے یہ کر سکتے ہیں کہ بیگم صاحبہ کو جتائے بغیر مجھ کو مطمئن کر دیں کہ مالی طور پر استحکام ممکن ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد وہ تمہارے سامنے سب کچھ اگل دے گا۔ اس وقت تم یہ مطالبہ کر سکتی ہو کہ یہ رقم میرے نام منتقل کر دیجئے۔ تا کہ میں بیگم صاحبہ کو اطلاع دے دوں کہ مجھے یہ نسبت منظور ہے۔"

سعدیہ نے ہنس کر کہا۔ "سچ مچ کمال ہے۔ کس بلا کا دماغ پایا ہے آپ نے۔ واقعی اس طرح دامن جھاڑ دے گا میرے سامنے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا میں اتنی کامیاب ایکٹنگ کر سکوں گی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "یقیناً کر لوگی۔ اگر تم دل میں یہ طے کر لو کہ یہ سب کچھ تم کو انتظاماً اور انتقاماً کرنا ہے تو تم اس کو چٹکی بجاتے کھوکھلا کر سکتی ہو۔"

سعدیہ نے کچھ غور کرنے کے بعد اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور اس کے بعد ہی بیگم صاحبہ نے اجمل کو بلا کر یہ مژدۂ جاں فزا سنایا ہے تو حیرت ہے کہ وہ صرف بیگم صاحبہ کا پیر پکڑ کر رہ گیا ہی، کیوں شادیٔ مرگ کا شکار نہ ہو گیا دیوانہ کیوں نہ ہو گیا وہ خوشی کے مارے۔ بیگم صاحبہ نے اس صفائی سے اس کو بیوقوف بنایا کہ زیوروں کی رسید تک اس کے حوالے کر دی کہ جاؤ یہ زیور آج ہی نکلوا کر لاؤ۔ تا کہ میں آج ہی سُنار کو بلا کر ان میں ضروری تبدیلیاں کراؤں۔ اور اجمل یہی سمجھتا رہ گیا کہ شاید اُس نے خود ہی یہ رسید کسی وقت بیگم صاحبہ کو دے دی ہوگی۔ بہر حال وہ زیور بھی اُسی دن آ گئے اور بیگم صاحبہ نے اجمل کو مزید یقین دلانے کے لیے واقعی سنار کو بلا کر ان زیوروں میں سے چند کو اُجالنے کے لیے دے دیا۔ چند کو کچھ کا کچھ بنوانے کے لیے دے دیا اور چند اپنے قبضے میں کر لیے۔ اجمل اب پھولا نہ سماتا تھا۔ اس کی جو نظر سعدیہ پر پڑتی تھی وہ اس کا دماغ اور بھی خراب کر دیتی تھی۔ اس لیے کہ در اصل سعدیہ ہی اس کا پہلا انتخاب تھی۔ مگر سعدیہ کی طرف سے اس کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اُس کی قسمت ایسا ساتھ دے سکتی ہے کہ سعدیہ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے۔ بہر حال اب وہ اُس کے اس قدر قریب آ چکی تھی کہ اس کو اس کے قرب پر کئی دن خواب کا گمان رہا۔ مگر جب بیگم صاحبہ نے اس کو سمجھا بجھا کر سعدیہ کے پاس بھیجا اور سعدیہ نے اس سے وہی طے شدہ باتیں نہایت مکمل اداکاری کے ساتھ کیں تو اس کے پیر زمین پر نہ پڑتے تھے۔ بیگم صاحبہ نے جو اندازہ کیا تھا ہو بہو وہی صورت پیش آئی۔ سعدیہ کا صرف یہ کہنا کہ ہماری اور آپ کی زندگی بیگم صاحبہ کے لطف و کرم سے کچھ نہ کچھ بے نیاز بھی ہونا چاہیے، اجمل کو رام کرنے کے لیے کافی تھی۔ اور آخر جب سعدیہ نے یہ کہا۔ کہ "اگر واقعی آپ کے پاس اتنی رقم موجود ہے تو مجھے یہ دھڑکہ کیوں ہو کہ بیگم صاحبہ نے اگر نگاہیں پھیر لیں تو کیا ہوگا۔ آپ یہ رقم میرے حوالے کیجئے تا کہ میں بیگم صاحبہ کو کہہ دوں کہ وہ بسم اللہ کریں، مجھے منظور ہے۔" تو اجمل نے صرف اتنا ہی کہا۔ کہ "کاش میرے پاس اس سے کئی گنی زیادہ دولت ہوتی جو میں آپ کے قدموں پر نچھاور کر سکتا، میں ابھی بینک جا کر اپنا اکاؤنٹ آپ کے نام منتقل کیے دیتا ہوں۔

سعدیہ نے کہا۔ "جی نہیں اکاؤنٹ غلط ہے۔ اکاؤنٹ کا بیگم صاحبہ کو علم ہو سکتا ہے آپ وہ رقم بینک سے نکلوا کر میرے حوالے کیجئے۔" اور اُسی دن سہ پہر سے پہلے ہی باون ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں سعدیہ کے ایک آہنی بکس میں مقفل ہو گئیں۔

بیگم صاحبہ کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ان کو اس خوشی سے، کہ ان کا ڈوبا ہوا روپیہ واپس آگیا کہیں زیادہ یہ خوشی تھی کہ ان کی ذہانت نے ایک حرفوں کے بنے ہوئے شاطر کو کیسی شکست دی ہے۔ اب وہ سعدیہ سے اور بھی قریب ہو چکی تھیں اور ان کو واقعی یہ محسوس ہوتا تھا کہ اپنے کسی یگانے کی تلاش میں اگر وہ کامیاب ہوئی ہیں تو سعدیہ کے سلسلے میں ہوئی ہیں۔ ان کو جو یہ احساس ہمیشہ تکلیف دیتا رہتا تھا کہ اس بھری دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس کو وہ اپنا کہہ سکیں، وہ سعدیہ کو اپنے اعتماد میں لانے کے بعد ختم ہو گیا۔ مگر اب بھی اگر ایک خلش تھی تو یہ کہ مسعود کے ساتھ جو زیادتی ہو چکی ہے اس کی تلافی کیسے کی جائے، اور مسعود اور نازلی کو اب کس طرح اپنایا جائے۔ ان کو اب اس میں تو کوئی شک ہی نہ تھا کہ یہ اجمل کی ہی سازش تھی، جس نے لاٹھی مار کر پانی جدا کر دیا تھا۔ وہ اکثر اسی موضوع پر سعدیہ سے باتیں کرتی تھیں۔ چنانچہ آج بھی بیگم صاحبہ کے پاس صرف سعدیہ تھی۔ بیگم صاحبہ کے بناؤ سنگھار کر کے صدقے قربان جانے والی لڑکیاں ان کی شان میں قصیدے پڑھ کر رخصت ہو چکی تھیں اور بیگم صاحبہ رکھی ہوئی چنگیر سے چنبیلی کے پھول اٹھا اٹھا کر کبھی صرف ایک پھول سونگھتی تھیں، کبھی بھر مٹھی پھول سونگھ لیتی تھیں اور سعدیہ سے باتیں کرتی جاتی تھیں۔

’’مگر سعدیہ تم ہی بتاؤ کیا یہ مسعود کا فرض نہ تھا کہ اگر میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی تو وہ اس غلط فہمی کو دور کر دیتا۔‘‘

سعدیہ نے کہا۔ ’’میں اگر صاف بات کہوں گی تو آپ بُرا مان جائیں گی۔‘‘

بیگم صاحبہ نے بڑے دلار سے کہا۔ ’’اگر تمہاری بات پر بھی بُرا مان جاؤں گی تو خوش کس کی بات سے ہوں گی۔ مجھ سے کیوں بار بار کہلواتی ہو کہ مجھے صرف تم پر یقین ہے کہ تم کوئی بات ایسی نہیں کہہ سکتیں جس میں میرے لیے خلوص نہ ہو۔ تم بے شک صاف صاف کہو۔ اگر میری غلطی ہے تو صرف تم ہی تو مجھ کو ٹوک سکتی ہو۔‘‘

سعدیہ نے کہا۔ ’’آپ کی ذہانت کی میں قائل ہوں۔ آپ کی سوجھ بوجھ پر ایمان لاتی ہوں۔ مگر آپ میں ایک زبردست خامی یہ ہے کہ مردم شناس بالکل نہیں ہیں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’مگر میرے خیال میں تمہارا یہ فیصلہ درست نہیں ہے۔ اپنی پوری رام کہانی میں تم کو سنا چکی ہوں اور اب تم سے زیادہ شاید کوئی اور میرا محرم راز نہیں ہے۔ تم کو میری ہی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اس زندگی میں کیسے کیسے سخت مقام میرے لیے آئے ہیں۔ مجھ پر عشق چھڑکنے والوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ میجر عارف کے سلسلے میں خود کس قدر ڈگمگائی مگر آخر میں نے اپنے کو سنبھالا اور عشق کے پردے میں اُس لالچ کو صاف پہچان لیا جو میری دولت کے لیے میرے عشاق جان باز کے دلوں میں موجود تھا۔ اگر میں مردم شناس نہ ہوتی تو کب کی بہک چکی ہوتی۔‘‘

سعدیہ نے کہا۔ ’’اگر آپ مردم شناس ہوتیں تو آپ کے لیے مسعود کا اخلاص کوئی ڈھکی چھپی چیز نہ تھا۔ مجھ کو ملا کر یہاں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے آپ کی وہ عزت کی ہو اور وہ بے غرض احترام کیا ہو جو مسعود نے کیا ہے۔ وہ اکثر اس شش و پنج میں مبتلا نظر آتا تھا کہ جس خلوص کے لیے اس کا دل اس کو مجبور کر رہا ہے کہیں اس کے معنی یہ نہ سمجھ لیے جائیں کہ یہ خلوص آپ سے نہیں بلکہ آپ کی دولت سے ہے۔ آپ نے کس کے ساتھ احسان نہیں کیا۔ مگر مسعود کا سا احسان مند ایک بھی نہ تھا۔ اس کو

واقعی آپ کے پیکر میں ماں کی محبت اور ماں کا احترام اور ماں کی تقدیس نظر آتی تھی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”مگر سعدیہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر نازلی پر ہاتھ اٹھا بیٹھی تھی تو وہ مشتعل ہو گیا تھا۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اب پھر آپ کی خفگی کا مقام آ رہا ہے۔ میرے خیال میں اس کو یقیناً مشتعل ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ آپ نے ماں بن کر نہیں دکھایا۔ آپ نے اس سے زیادہ ان لوگوں پر اعتماد کر لیا تھا جن کی اصل حقیقت کو آپ اب سمجھی ہیں مگر مسعود پہلے ہی سے سمجھے ہوئے تھا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”اور پھر وہ سرکشی کی انتہا پر پہنچ کر نازلی کو لے کر یہاں سے چلا گیا۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اہل خلوص میں اپنی دیانت کا ایک پندار بھی ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ ہو سکتے ہیں بے غیرت نہیں ہو سکتے۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ جہاں اس کے بے لوث خلوص کو پرکھنے والا ہی کوئی نہیں ہے وہاں اس کی جگہ یقیناً نہیں ہو سکتی۔ مگر یہاں سے جانے کے بعد بھی اس نے اگر کسی کا احترام کیا تو وہ آپ ہیں، اگر کسی کی برائی وہ کبھی نہ سن سکتا ہے تو وہ آپ ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے ایک دم چونک کر کہا۔ ”مگر یہ سب کچھ تم کو کیسے معلوم ہوا۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اسی گھر میں آپ کا ایک اور وفادار بھی تھا۔ جس کو حال ہی میں وفاشعاری کا یہ صلہ ملا ہے کہ ذلت کے ساتھ وہ نکالا گیا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”یعنی خدا بخش۔ تو گویا خدا بخش تم کو یہ سب کچھ بتاتا تھا۔ مگر میری جان تم نے بھی کبھی مجھ سے کچھ نہ کہا۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اگر مجھ کو بھی آپ کی نظروں سے گرنا ہوتا تو میں کہتی۔ آپ کو تو اندازہ ہونا چاہیے کہ آپ کے بھڑکانے والے آپ کو کس حد تک مسعود، نازلی اور

پھر خدا بخش سے متنفر کر چکے تھے۔ ہر روز ایک طبعزاد افسانہ ان کے متعلق آپ کو سنا کر اس خلیج کو روز بروز وسیع کر رہے تھے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تو کیا یہ بھی غلط ہے کہ مسعود نے میرے متعلق لوگوں سے کہا۔ ہے کہ میں بڑی رنگین مزاج ہوں۔ بڑی حسن پرست ہوں اور ہر وقت اس کا امکان موجود ہے کہ نواب نظام الدولہ کی آن بان پر پانی پھر جائے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”افسوس ہے کہ آپ مسعود کے متعلق اتنا بھی نہیں جانتیں کہ یہ رکیک فقرے خود اس کی بلند شخصیت سے کتنے گرے ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال آتا بھی تو اس کا اظہار اس کی جرأت صرف آپ کے سامنے کرتی۔ یہ گھٹیا کمینہ پن کسی کمینے ہی کا ہو سکتا ہے مسعود کا ہرگز نہیں۔ وہ ایسا بزدل تھا نہ اتنا رکیک الخیال۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہی ہو سعدیہ۔ مجھے مسعود سے ایسی امید نہیں ہو سکتی۔ اس کی رگوں میں ایک بڑے باپ کا خون ہے وہ ایک الوالعزم ماں کی آغوش میں پلا ہے اور اس نے ہمیشہ اپنی بلندی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے افسوس تھا تو یہی کہ یہ باتیں مسعود کا ایسا آدمی کر رہا ہے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”اس افسوس سے پہلے کاش آپ تحقیقات کر لیتیں۔ بلکہ تحقیقات کی کیا ضرورت تھی، صرف خود اعتمادی سے کام لے کر مسعود ہی سے پوچھ لیتیں اور اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو یہ باتیں سن کر صرف یہ کہتی کہ مسعود اگر دشمن بھی ہے تو بھی اس میں شرافت بہرحال موجود ہے اور دشمنی کے بعد ہی شرافت کے فرائض ابھرتے ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔ صاحبزادی آپ نے بڑی قابلانہ اور پکی باتیں کی ہیں۔ بڑی میری ناصح مشفق اور استانی بن کر بیٹھی تھیں آپ۔ مگر آپ کو معلوم ہونا

چاہیے کہ آپ نے اپنی قلعی بھی کھول دی ہے۔ مسعود کے متعلق تو جو کچھ آپ نے فرمایا وہ مجھ کو پہلے سے خود ہی معلوم تھا۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ آپ بھی اُس سے اس حد تک متاثر ہیں۔“

سعدیہ نے حیرت سے کہا۔ ”ان باتوں سے کون متاثر نہ ہوگا بھلا......“

بیگم صاحبہ نے شرارت سے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ ”جی وہ تاثر دوسرا ہوتا ہے۔ بہرحال مجھ کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ تم مسعود کے لیے اتنی اچھی اور اتنی بلند رائے رکھتی ہو۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”میں تو سمجھتی تھی کہ مسعود کے لیے اچھی اور بلند رائے رکھنا اس گھر میں جرم ہے۔“

بیگم صاحبہ نے غماز مسکراہٹ سے کہا۔ ”یقیناً جرم ہے اور اس جرم کی سزا یہ ہے کہ اب میں طے کر چکی ہوں کہ تم دونوں کو عمر قید بھگتنے کے لیے ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا جائے۔“

سعدیہ نے بیگم صاحبہ کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک دم جھینپ کر بھاگنے کی کوشش جو کی تو بیگم صاحبہ نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو تو سہی۔ اب سوال یہ ہے کہ میں مسعود سے کیسے ملوں۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں اور اس کو واپس لانا چاہتی ہوں، تا کہ وہ اپنے گھر کو سنبھالے جو بہرحال اسی کا ہونے والا ہے۔“ اور اس کے بعد خود ہی کہا۔ کہ ”تم کیا رائے دو گی اب میں خود ہی اس کو پکڑ کر لاؤں گی۔ کان سے پکڑ کر لاؤں گی اس بدتمیز کو۔“

اجمل سے تمام زیور حاصل کر لینے کے بعد اور جو کچھ اس نے لوٹ مار کر کے وصول کیا تھا وہ بھی اینٹھ لینے کے بعد بیگم صاحبہ کی نظریں اس کی طرف سے یکایک پھر گئیں وہ پہلے تو کچھ سمجھ نہ سکا اس لیے کہ وہ اسی نشے میں مدہوش تھا کہ اب عنقریب نہ صرف سعدیہ سی شریک حیات اس کو مل جائے گی بلکہ بیگم صاحبہ کی تمام دولت کا بھی وہی وارث قرار دیا جائے گا۔ مگر جب وہ مہینے کے آخری دن حسابات کے اخراجات کے چیک پر دستخط کرانے گیا تو بیگم صاحبہ نے وہ رجسٹر اور چیک بک لے کر اپنے پاس رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ سب چیزیں آپ میرے پاس چھوڑ دیں۔ میں نے سرکاری محاسب بلائے ہیں تا کہ وہ اُس تمام حسابات کی جانچ پڑتال کر لیں جو آپ کے ذمہ اب تک رہا ہے۔ مجھ کو ان حسابات کی صحت میں شبہ ہے۔“

اجمل کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”کیا مطلب آپ کا، یعنی یہ حسابات غلط ہیں۔“

بیگم صاحبہ نے نہایت بے پروائی سے کہا۔ ”ہاں مجھ کو کچھ ایسا ہی شبہ ہے۔“

اجمل نے کہا۔ ”یعنی آپ کو میری دیانت میں شبہ ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ آپ کی دیانت پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے گی۔ اگر آپ کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے تو آپ کو خوش ہونا

چاہیے کہ آپ کی دیانت کا امتحان ہو رہا ہے اور آپ اس میں سرخرو ہوں گے۔"

اجمل نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "مگر میں نے یہ حسابات اس طرح تو تیار بھی نہیں کیے ہیں کہ ان کو محاسب جانچ سکیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "کوئی مضائقہ نہیں۔ محاسب اسی طرح جانچ لیں گے جس طرح آپ نے حسابات رکھے ہیں۔ میں نے مسعود میاں کو بلوایا ہے کہ وہ اپنے دفتر کے محاسب کو ساتھ لے کر آ جائیں۔"

اجمل نے اور بھی سراسیمہ ہو کر کہا۔ "یعنی......؟ مسعود کو بلوایا ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "ہاں مسعود کو بلوایا ہے تاکہ اس کی نگرانی میں حساب سمجھ لیے جائیں۔ بہرحال یہ چیزیں یہیں رہنے دیں اور جب تک یہ حساب فہمی نہیں ہو جاتی میں خود تمام انتظامات کی نگرانی کروں گی۔"

وہ رجسٹر اور چیک بک وغیرہ وہیں چھوڑ کر اجمل نہایت حواس باختہ سعدیہ کے کمرے میں پہنچا۔ سعدیہ کو پہلے ہی سے انتظار تھا اس لیے کہ بیگم صاحبہ نے یہ پروگرام اسی کے مشورے سے بنایا تھا۔ چنانچہ جو کچھ طے ہو چکا تھا اس کے مطابق سعدیہ خود نہایت متفکر اجمل کو ملی اور اس نے اجمل کو دیکھتے ہی کہا۔ "آپ بیگم صاحبہ کے پاس تو ابھی نہیں گئے؟"

اجمل نے کہا۔ "وہیں سے تو آ رہا ہوں۔"

سعدیہ نے بڑی تشویش سے کہا۔ "غضب کر دیا آپ نے بھی۔ کاش! آپ مجھ سے مل کر گئے ہوتے۔ یہاں تو بڑی قیامت آ چکی ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ آپ کسی آفت میں پھنس جائیں۔ خدا کے لیے اپنے بچاؤ کی کوئی ترکیب کیجیے۔"

اجمل نے گھبرا کر کہا۔ "بات کیا ہوئی آخر؟ بیگم صاحبہ تو آج بالکل ہی بدلی ہوئی ہیں۔"

سعدیہ نے کہا۔ "مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے۔ بس وہ ایک دم میرے کمرے میں آ گئیں اور مجھ سے اس لوہے کے صندوق کی چابیاں مانگیں جس میں وہ روپیہ رکھا تھا۔ پھر صندوق کھول کر وہ روپیہ نکال لیا اور مجھ سے پوچھا کہ یہ کہا۔ں سے آیا ہے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اجمل صاحب نے مجھ کو دیا ہے۔"

اجمل نے ایک دم چکرا کر کہا۔ "یہ کیوں کہہ دیا۔"

سعدیہ نے تعجب سے کہا۔ "اور میں کیا کہتی۔ مگر اس میں حرج ہی کیا ہوا۔ آپ کا روپیہ تھا۔ آپ کو اختیار تھا جس کو چاہیں دے دیں۔ اس میں بیگم صاحبہ کا کیا دخل تھا۔ مگر وہ تو مجھ پر بھی برس پڑیں کہ تم بھی اس ڈکیتی میں شریک ہو اور صرف اجمل ہی نہیں بلکہ اب تم بھی تیار رہو اس وقت کے لیے جب قانون اس بے ایمانی کے لیے تمہارے ساتھ وہی کرے گا جس کی تم مستحق ہو۔"

اجمل نے کہا۔ "یہ تو بڑا غضب ہوا۔"

سعدیہ نے پھر کہا۔ "غضب کی اس میں کیا بات ہے۔ کوئی آپ نے کسی کی چوری کی ہے جو آپ خواہ مخواہ ڈر رہے ہیں۔ خدا کے لیے بتائیے تو سہی کہ آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔"

اجمل نے کہا۔ "میں تم کو کیا سمجھاؤں۔ بس یہ سمجھ لو کہ سارا کھیل بگڑ گیا۔ آخر یہ مخبری کس نے کر دی۔"

سعدیہ نے کہا۔ "مخبری کی اس میں کیا بات تھی۔ میں یہ رقم گن گن کر صندوق میں رکھ رہی تھی اور شہناز بہن میرا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔"

اجمل نے اور بھی گھبرا کر کہا۔ "شہناز؟ قیامت کر دی تم نے سعدیہ۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں یہاں سے چلتے بنیں ورنہ خدا جانے ہماری عزت آبرو کا کیا حشر ہو۔"

سعدیہ نے پریشان ہو کر کہا۔ ”آپ بتاتے کیوں نہیں ہیں کہ بات کیا ہے۔ کیا روپیہ آپ کا نہیں تھا؟“

اجمل نے کہا۔ ”تھا کیوں نہیں میرا۔ مگر میرا مطلب یہ ہے کہ بیگم صاحبہ کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ گویا یعنی یہ روپیہ ان ہی کا ہے یعنی وہ یہ سمجھ سکتی ہیں کہ میں نے ان ہی کے روپے میں سے رفتہ رفتہ یہ روپیہ کھسکا کر جمع کیا ہے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”مگر جب آپ کو معلوم ہے کہ یہ روپیہ ان کا نہیں بلکہ آپ کا ذاتی ہے تو آپ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ ان کو اگر شک بھی ہے تو آپ ان کے شک کو دور کر سکتے ہیں۔“

اجمل نے سراسیمگی سے کہا۔ ”بہرحال تم ان باتوں کی اُونچ نیچ کو نہیں سمجھ سکتیں۔ مصلحت یہی ہے کہ ہم دونوں یہاں سے نکل چلیں ایسے میں سویرا ہے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”واہ یہ بھی آپ نے ایک ہی کہی۔ گویا یہاں سے بھاگ کر اس جرم کو خواہ مخواہ اپنے سر اوڑھ لیں۔ آپ کا دل اگر چور نہیں ہے تو آپ دبنگ بن کر جائیے اور بیگم صاحبہ سے اپنا روپیہ واپس لائیے۔“

اجمل نے جز بز ہو کر کہا۔ ”بابا تم نہیں سمجھتیں، اگر یہاں سے فوراً ہم دونوں نہیں جاتے تو پھنس جائیں گے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”آپ کی اس پریشانی سے تو مجھے یہ فکر ہو گئی ہے کہ کہیں خدا نخواستہ آپ کے پاس یہ ناجائز روپیہ تو نہیں تھا۔

اجمل نے عاجز آ کر کہا۔ ”فی الحال تم یہی سمجھ لو اور چلنے کی تیاری کرو۔“

سعدیہ نے بڑی رکھائی سے کہا۔ ”اجمل صاحب آپ مجھ سے یہ اُمید تو رکھیے نہیں کہ میں مجرموں کی طرح بھاگتی پھروں گی۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ اگر یہ روپیہ آپ کا ہے تو آپ کو بھاگنے کی ضرورت نہیں اور اگر واقعی آپ مجرم ہیں تو مجھ سے آپ ہرگز یہ امید نہ رکھیں کہ میں ایک ایسے گھٹیا مجرم کا ساتھ دوں گی۔“

اجمل کے لیے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ ٹل جائے۔ چنانچہ وہ سعدیہ کے پاس سے حواس باختہ اٹھا اور اپنے کمرے میں جا کر پھر اس کمرے سے نہ نکلا۔ یہاں تک کہ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد بیگم صاحبہ کے حکم کی تعمیل میں سعدیہ نے جو اجمل کے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہاں میدان صاف تھا۔ غسل خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور صاف ظاہر ہے کہ وہ حضرت اسی راستے سے فرار ہو چکے تھے۔ سعدیہ نے جب بیگم صاحبہ کو آ کر یہ خبر سنائی تو وہ خود بھی اجمل کے کمرے میں آئیں اور ایک ایک چیز کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا کہ اجمل یہاں سے کوئی چیز لے کر نہیں گیا ہے حد یہ ہے کہ اس کے تمام کپڑے بھی بدستور موجود تھے۔ گھبراہٹ میں وہ اپنا سگریٹ کیس تک چھوڑ گیا تھا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی نگرانی میں سب سامان مقفل کرایا اور سعدیہ کے ساتھ کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ”خس کم جہاں پاک۔ میں تو شکرانے کی نماز ادا کروں گی کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے عذاب سے نجات دے دی۔“ اس کے بعد سعدیہ اور بیگم صاحبہ میں دیر تک اجمل ہی کی بددیانتی کے ذکر رہے۔

آج کل بیگم صاحبہ کی کوٹھی میں نسبتاً سناٹا تھا۔ مسعود اور نازلی کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا وہ خدا بخش کے رخصت ہونے کے بعد اور بھی نمایاں ہو گیا تھا۔ پھر اجمل بھی سدھارے اور شہناز کی آمد و رفت بھی آج کل اس لیے کم تھی کہ غالباً اس کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ بیگم صاحبہ اس سے خواہ کیسی ہی گھل مل جائیں مگر وہ اُس کی دال گلنے نہ دیں گی۔ اس کے علاوہ آج کل اس کے پھیرے احسن کے گھر بہت ہو رہے تھے۔ بلکہ بیگم صاحبہ نے تو نہایت وثوق سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ کسی نہ کسی دن ایک بڑا سا لفافہ آ جائے گا جس میں احسن اور شہناز کی شادی کا کارڈ ہو گا۔ کل بیگم صاحبہ کے مخبروں نے یہ پتہ بھی لگایا کہ اجمل نے بھی احسن ہی کے گھر اپنا ڈیرہ جما لیا ہے اور اس خبر کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب نہایت غیر متوقع طور پر بجائے سہ پہر کے ریاض دوپہر ہی کو ان کے گھر آ موجود ہوا۔ اس کی اس غیر متوقع آمد پر سعدیہ کو بھی تعجب ہوا اور وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بیگم صاحبہ کے کمرے میں جا پہنچی جہاں ریاض موجود تھا۔ سعدیہ کو دیکھتے ہی بیگم صاحبہ نے کہا۔

''سعدیہ بی بی! وہ خبر سچ نکلی۔ وہ ڈاکو واقعی احسن کے گھر براجمان ہے اور بی شہناز کے توسط سے وہاں پہنچا ہے۔''

ریاض نے کہا۔ ''میں تو آپ کو یہ خبر سنانے آیا تھا کہ صرف وہاں موجود ہی نہیں ہے بلکہ کل اُس کی نہایت باقاعدہ تاجپوشی بھی ہوئی ہے۔''

بیگم صاحبہ نے اُوئی والی انگلی ٹھوڑی پر رکھ کہا۔ ''تاجپوشی؟ اے تاجپوشی کیسی؟''

ریاض نے کہا۔ ''باقاعدہ جوتا کاری۔ مسعود بھائی نے وہ مرمت کی ہے کہ طبیعت صاف ہو گئی ہو گی۔''

سعدیہ نے کہا۔ ''کیا سچ مچ! یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ مارا اس کو۔''

ریاض نے ہنس کر کہا۔ ''میں نے مسعود بھائی کو اتنا مغلوب الغضب تو دیکھا ہی نہ تھا کبھی۔ وہ تو کسی کے قابو میں نہ آ سکے۔ اور اگر سب مل کر اجمل کو وہاں سے ہٹا نہ دیں تو وہ مارتے مارتے بھرتہ ہی بنا دیتے اُس کا۔''

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ''بات کیا ہوئی آخر؟''

ریاض نے کہا۔ ''بات نہایت بیہودہ تھی اور بہتر ہے کہ آپ نہ سنیں ورنہ آپ کو بھی غصہ آئے گا۔''

بیگم صاحبہ نے بڑے اشتیاق سے کہا۔ ''مجھے غصہ وصہ نہیں آتا۔ بتاؤ تو سہی قصہ کیا تھا۔''

ریاض نے کہا۔ ''صاحب ہوا یہ کہ کل اتفاق سے ہم سب یعنی مسعود بھائی اور نازلی شام کو احسن کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں بی شہناز کو اور اجمل کو بھی موجود پایا۔ اجمل نے بڑے تپاک سے مسعود بھائی کو سلام کیا اور کہنے لگا کہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بقول شخصے ؎

انچہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

آپ بہت پہلے وہاں سے دامن بچا کر چلے آئے اور مجھ کو اب آنا پڑا۔ اس پر میری شامت آئی تھی کہ میں پوچھ بیٹھا کہ کیا آپ بھی وہاں سے بستر گول کر گئے۔

اس کے جواب میں اس نے کہا۔ کہ بستر تک گول کرنے کا موقع نہ ملا۔ میں تو سر پر پیر رکھ کر بھاگا ہوں۔ ورنہ وہ بڑھیا جو بن سنور کر گڑیا بنی رہتی ہے مجھ کو اپنا شوہر بنا کر چھوڑتی۔“

بیگم صاحبہ نے ایک دم چونک کر کہا۔ ”یعنی میں اس چڑی مار کو شوہر بنا کر چھوڑتی۔“

ریاض نے کہا۔ ”یہ سنتے ہی مسعود بھائی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور انھوں نے کہا۔ بکواس بند کرو۔ مگر وہ مسلسل کہتا ہی رہا کہ مسعود بھائی آپ کو کیا معلوم کہ ان مسماۃ کے ارادے کیا تھے۔ آپ وہاں سے اس لیے نکالے گئے کہ ان کو یہ شبہ ہوا کہ آپ بجائے ان کے نازلی بہن کی محبت کا دم بھرنے لگے ہیں ورنہ دراصل ان کی نیت آپ کے لیے تھی۔“

بیگم صاحبہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کہا۔ ”لو ذرا سُن لو اس نمک حرام کی باتیں۔“

ریاض نے کہا۔ ”اس پر مسعود بھائی نے پھر غصے سے کہا۔ کہ اگر تم اپنی بکواس بند نہ کرو گے تو مجھ کو بند کرانا پڑے گی۔ مگر احسن اور شہناز دونوں اجمل کی تائید کر رہے تھے کہ اجمل ٹھیک کہتا ہے۔ بیگم صاحبہ کے متعلق ہم کو پہلے ہی سے خیال تھا کہ یہ محترمہ ہیں ضرور گڑبڑ قسم کی۔ بہرحال اجمل نے کہا۔ کہ جس دن میں وہاں سے بھاگا ہوں اُس دن ہوا یہ کہ بیگم صاحبہ کمرے میں آگئیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے رخساروں پر رکھ کر بولیں کہ اجمل آخر ہم دونوں کب تک ایک دوسرے سے وابستہ نہ ہوں گے۔ یہ سننا تھا کہ مسعود بھائی کو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ طیش میں ایک دم کھڑے ہو کر چیخے کہ اس کمینہ پن کا جواب زبان سے نہیں بلکہ ہاتھ سے دیا جائے گا اور اب جو تڑاتڑ اس پر رول برسانا شروع کیے ہیں تو سب ہی نے ان کو روکنا چاہا مگر وہ کسی کے قابو میں نہ آتے تھے۔ آخر اجمل بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور احسن نے وہ کمرہ بند کر دیا۔ اجمل کے علاوہ مسعود بھائی نے شہناز کی بھی وہ قلعی کھولی ہے کہ ان بیگم صاحبہ سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔ احسن سے بھی کافی بحث رہی۔ مگر مسعود بھائی نے باوجود اس غصے کے ایسے دلائل کے ساتھ احسن کو سمجھایا، اور اس گھر کے حالات پر روشنی ڈالی کہ آخر اس کو کہنا پڑا کہ بھئی مجھ کو معاف کرنا میں ظاہر حالات کو دیکھ کر خود شدید غلط فہمی میں مبتلا تھا اور اب مجھ کو ان غلط فہمیوں پر ندامت ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”خیر مجھ کو احسن یا کسی اور کی غلط فہمی یا اس غلط فہمی پر ندامت سے کوئی سروکار نہیں، مگر ریاض میاں میں اسی قابل تھی کہ اجمل مجھ پر یہ گندگی اچھالتا۔ یہ مجھ پر مسعود اور نازلی کا صبر پڑا ہے۔ میں نے ان دونوں بے قصوروں کے ساتھ جو زیادتی کی ہے اُس کی یہ بہت ہی ہلکی سزا ہے جو مجھ کو ملی ہے۔ میں نے اسی اجمل اور اسی شہناز کے کہے میں آ کر اُس مسعود سے آنکھیں پھیر لی تھیں جو باوجود ان زیادتیوں کے آج بھی میرے خلاف کسی سے ایک لفظ تک سننے کو تیار نہیں ہے۔“

سعدیہ نے کہا۔ ”مگر باوجود اس کے ریاض بھائی میں تو یہی کہوں گی کہ مسعود صاحب کو یہ طریقہ اختیار نہ کرنا چاہیے تھا۔“

ریاض نے کہا۔ ”سعدیہ بہن وہ تو شاید اجمل کا خون پی جاتے۔ بعد میں خود میں نے بھی ان سے یہی کہا۔ کہ آپ کچھ حد سے بڑھ گئے تھے تو انھوں نے کہا۔ کہ اگر وہ مردود میرے سامنے آ کر پھر اُسی قسم کی بات کرے تو میں پھر یہ ہی سلوک کروں۔ میں اس کو زیادتی نہیں کمی کہتا ہوں۔ افسوس ہے کہ پورا حوصلہ نہ نکل سکا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تف ہے مجھ پر کہ میں نے اپنوں کو چھوڑ کر بیگانوں پر بھروسہ کیا۔“

ریاض نے کہا۔ ”اور تو اور جب بابا خدا بخش نے یہ قصہ سنا تو ان کو بوڑھا جسم

بھی کانپ اٹھا اور وہ کہنے لگے کہ اگر میں ہوتا وہاں تو وہاں سے ایک لاش ضرور اٹھتی یا میری یا اجمل کی۔"

سعدیہ نے کہا۔ "ہاں بابا خدا بخش تو واقعی جان پر کھیل جاتے۔ ان سے ضبط تو مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "میں نے کس کس کے ساتھ زیادتیاں کیں ہیں۔ عقل پر ایسے پتھر پڑ گئے تھے کہ چن چن کر اپنے ایک ایک ہمدرد کو میں نے اپنے سے دور کر دیا اور ان سانپوں کو آستین میں پالتی رہی۔ مگر اس میں سعدیہ بی بی تمہارا بھی قصور ہے کہ تم نے میری آنکھیں نہ کھولیں۔"

سعدیہ نے کہا۔ "جو جاگ رہا ہو اس کو کون جگائے۔ آپ کی آنکھیں کھولنے کی کوشش میں میرا بھی وہی حشر ہوتا جو اور سب کا ہوا ہے۔ آپ کو میری بات کا بھی یقین کب آتا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "خیر چولھے میں جائیں یہ سب کمبخت۔ ریاض میاں میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلتی ہوں اپنے روٹھے ہوؤں کو منانے۔ میں ان سے بڑی سہی مگر میں ان سے معافی مانگوں گی۔ میں اپنی حماقت کا کھلے لفظوں میں اقرار کروں گی۔ میں بابا خدا بخش کے قدموں پر بھی گرنے کو تیار ہوں۔"

ریاض نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی آپ سے خفا نہیں ہے۔ سب آپ کو مسحور سمجھتے تھے اور سب کو معلوم تھا کہ آپ اس سحر کا اثر ختم ہوتے ہی پھر ان سب کو حاصل کر لیں گی جن کو کھو چکی ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے سعدیہ کو بھی تیار ہونے کو کہا۔ اور تھوڑی دیر میں سعدیہ کو ساتھ لے کر ریاض کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔

مسعود کی کوٹھی میں اس وقت عجیب چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ تمام نوکر ایک دوسرے سے کہتے پھرتے تھے کہ صاحب کی والدہ تشریف لے آئی ہیں۔ ریاض کی والدہ اور زہرہ بھی آ چکی تھیں اور گول کمرے میں سب جمع تھے۔ منظر یہ تھا کہ بابا خدا بخش کی نورانی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور خود بیگم صاحبہ کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ مسعود البتہ ہنس ہنس کر اس ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بیگم صاحبہ سے کہا۔

"خالہ جان کا بھی عجیب قصہ ہے جب رونے کا زمانہ تھا تو ٹھٹھے اُڑایا کرتی تھیں اب ہنسنے کا وقت آیا تو رو رہی ہیں۔"

ریاض کی والدہ نے کہا۔ "بیٹا بچھڑے ہوئے جب ملتے ہیں تو یہی حال ہوتا ہے۔"

مسعود نے کہا۔ "جی نہیں یہ اس لیے رو رہی ہیں کہ میں کوئی شکایت نہ کرنے پاؤں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "تمہاری ہر شکایت سر آنکھوں پر۔ مگر میں تو خود اپنی سزا کو پہنچ چکی ہوں۔ کیسی کیسی باتیں میرے لیے بنائی گئی ہیں۔"

مسعود نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیے۔ جیسی جیسی باتیں بنائی گئیں ویسی ویسی مرمت بھی ہوئی۔"

نازلی نے کہا۔ ’’توبہ ہے بھائی جان آپ سے بھی۔ میں تو بابا اس دن سے سخت ڈر گئی ہوں آپ سے۔ معلوم ہوتا تھا دشمنوں کو جنون کا دورہ پڑ گیا ہے۔ سارے جسم سے میں کانپ رہی تھی اور ہاتھ پاؤں یخ ہو گئے تھے میرے۔‘‘

ریاض نے کہا۔ ’’خیر آپ اپنی بہادری کی نہ کہیے۔ رات کو پہرہ دار کی آواز سن کر آپ کے ہاتھ پیر یخ ہو جاتے ہیں۔‘‘

ریاض کی والدہ نے اپنے صوفے سے اٹھ کر بیگم صاحبہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ ’’اچھا بس اب چل کر ایک چھینٹا منہ پر ڈال لیجیے۔ سچ مچ آپ تو روتے روتے ہلکان ہو گئی ہیں۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’اور اس کے بعد چائے کا انتظام فوراً کرا دیجئے تاکہ میرے بھی وہ آنسو پگھل سکیں جو جم کر رہ گئے ہیں۔‘‘

بیگم صاحبہ کو جب ریاض کی والدہ لے کر چلی گئیں تو ریاض نے مسعود سے کہا۔ ’’یہ آپ کا اس وقت کا مذاق میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ فقرہ بازیوں کا بھی ایک موقع اور محل ہوتا ہے۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’اور وہ موقع اور محل یہی ہے۔ شادی سے قبل تم اتنے کند ذہن نہ تھے مگر نازلی کی حماقت کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بھی بولنے لگا ہے۔ حضور والا آپ کو نہیں معلوم کہ بیگم صاحبہ پر اس وقت کیا کیفیت طاری ہے۔ اگر میں بھی ان کے ساتھ کورس میں رونا شامل کروں تو اس کا اثر نہایت شدید ہوگا۔ لہٰذا میں اس کیفیت کو جلد ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ بابا خدا بخش کی طرح نہیں کہ بابل سن کر رخصت ہونے والی دلہن کی طرح اب جوان حضرت نے رونا شروع کیا ہے تو ساون کی جھڑی ہی لگا دی۔‘‘

خدا بخش نے کہا۔ ’’صاحب میں کیا کروں۔ میں نے بیگم صاحبہ کا ہمیشہ نمک کھایا ہے۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’لہٰذا نمکین آنسو برسائے بغیر نہ رہ سکا۔ بابا تم اتنے عقلمند آدمی ہو کر یہ بھی نہ سمجھے کہ بیگم صاحبہ کی حالت اس وقت کتنی قابلِ رحم ہے۔ ضرورت اس کی تھی کہ ان پر جو اثر ہے وہ جلد دور کیا جائے ان کا دل ہاتھ میں لیا جائے اور اس غمناک ماحول کو ختم کیا جائے۔‘‘

خدا بخش نے کہا۔ ’’جی ہاں میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر دل بھر آیا میرا بھی کہ اللہ اللہ آج اس پتھر کو بھی پسینہ آیا ہے۔‘‘

نازلی نے کہا۔ ’’اچھا بس۔ وہ آ رہی ہیں اسی طرف۔‘‘

بیگم صاحبہ کے تشریف لانے کے بعد مسعود نے کہا۔ ’’اچھا اب بتائیے کہ اس بن باس کے بعد آپ مجھے گھر کب بلائیں گی۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’اب یا تو میں تم سب کو ابھی لے کر چلوں گی ورنہ خود بھی واپس نہ جاؤں گی۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’اپنا اطمینان کرنے کے لیے میں آپ سے یہی سننا چاہتا تھا۔ بابا خدا بخش آپ میرا بڈ روم خالہ جان کے لیے درست کر دیجئے۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’کیا مطلب یعنی تم نہیں چلو گے۔ صاحبزادے اب تک تو میں نے مجرم کی حیثیت سے بات کی ہے۔ مگر اب مجھ کو اپنے ان اختیارات سے کام لینا پڑے گا۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’جو حاکم کو حاصل ہوتے ہیں۔‘‘

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ’’بے شک، اگر سیدھی طرح تم نہ چلے گھر تو کان پکڑ کر بھی لے جا سکتی ہوں۔‘‘

مسعود نے کہا۔ ’’یقیناً آپ اس طرح بھی لے جا سکتی ہیں۔ مگر یہ صورت تو

اس وقت پیش آئے گی جب میں جانے سے انکار کروں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک آدھ دن یہاں رہیے ذرا اس گھر کو اُس گھر اٹھا لے چلنے کی ترکیبیں بتایئے اس کے بعد حاضر ہوں۔ حالانکہ میری رائے یہ تھی کہ بجائے مجھ کو وہاں لے جانے کے آپ خود ہی کیوں نہ اس گھر میں آ جائیں۔“

ریاض نے کہا۔ ”خالہ جان یہ تو میں بھی کہوں گا کہ آخر آپ خود وہاں کیوں رہیں۔ کچھ نہ کچھ آپ کی زندگی میں بھی تبدیلی آنا چاہیے۔ چھوڑیئے اس ماحول کو۔“

نازلی نے کہا۔ ”رہ گئی آپ کی حکومت وہ جیسے اب اس گھر میں قائم رہ سکتی ہے ویسی ہی یہاں بھی رہ سکتی ہے۔“

ریاض کی والدہ نے کہا۔ ”بہن یہ تو میں بھی کہوں گی کہ مسعود میاں کی ملازمت کی وجہ سے وہاں جا کر رہنا تو ممکن ہے نہیں اور نہ یہ اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ آپ وہاں تنہا رہیں۔“

خدا بخش نے کہا۔ ”گستاخی معاف، اب اس گھر میں رہنا یوں بھی ٹھیک نہیں ہے کہ اجمل نہ جانے کب بدلہ لینا چاہے۔“

مسعود نے ہنس کر کہا۔ ”خیر اجمل تو اب یہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر اس سے قطع نظر میری رائے واقعی یہ ہے کہ میں خالہ جان کو اب اس گھر میں نہ رہنے دوں۔“

بیگم صاحبہ نے سب کی باتیں خاموشی سے سن کر کہا۔ ”میاں! میری دنیا اب تو صرف تم ہی لوگ ہو۔ مجھ کو بہرحال اسی دنیا میں رہنا ہے اور تمہاری مرضی کے مطابق رہنا ہے۔ اگر تمہاری یہی رائے ہے کہ مجھ کو وہاں نہیں یہاں رہنا چاہیے تو مجھے اس میں بھی کوئی عذر نہیں۔ مگر میں وہ مکان نہ کرائے پر اٹھا سکتی ہوں نہ خالی چھوڑ سکتی ہوں۔“

مسعود نے کہا۔ ”اپنے نزدیک آپ نے یہ ایک ایسا عقدۂ مشکل پیش کیا ہے جس کا کوئی حل ہی ممکن نہ ہو مگر اس کا کیا علاج کہ اس کا ایک برجستہ حل میرے ذہن میں آیا ہے کہ آپ لاجواب ہو جائیں گی۔ مگر میں آپ کو زبردستی لاجواب کرنا نہیں چاہتا اس لیے یہ کہتا ہوں کہ کسی عذر کے بغیر بھی آپ صرف یہ حکم دے دیں کہ آپ کی مرضی کیا ہے۔ آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ آپ ہم لوگوں کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں گی۔ ہم آپ کو اس قدر مجبور دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ لطف تو اسی میں ہے کہ سکہ آپ ہی کا چلے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔“

مسعود نے کہا۔ ”آپ تو یکا یک نہایت بزرگی کی باتیں کرنے لگیں۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”ہاں میاں اب میں یقیناً بزرگوں کی سی باتیں کروں گی۔ اس قسم کی باتیں نہ کرنے کا تو یہ نتیجہ ہے کہ مجھ پر ایسے ایسے الزام لگے۔ بہرحال تم وہ حل بتاؤ، اگر واقعی کوئی صورت ایسی نکل آئے تو میں اس پر فوراً عمل کروں گی۔“

مسعود نے کہا۔ ”وہ حل یہ ہے کہ ریاض اور خالہ جان، زہرہ اور نازلی کے ساتھ جس مکان میں ہیں، بہرحال اُن کا ذاتی تو ہے نہیں۔“

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا۔ ”میں سمجھ گئی۔ بالکل ٹھیک ہے مجھ کو منظور ہے میرے خدا کو منظور، اور واقعی جب اپنا گھر موجود ہے تو یہ کرائے کے مکان میں کیوں رہیں۔ یہ اس گھر کو سنبھالیں میں اس گھر کو سنبھالتی ہوں۔“

مسعود نے خوش ہو کر کہا۔ ”یہ بات ہوئی نا۔ بہرحال رفتہ رفتہ سب کچھ ہو جائے گا۔ فی الحال چائے تو پی جائے۔ آج میرے نوکروں نے آپ کو مہمان سمجھ کر ناشتے سے ساری میز پاٹ دی۔“

سعدیہ نے اُٹھ کر چائے بنانا شروع کر دی اور چائے کے دور کے ساتھ ہی ساتھ بڑی محبت آمیز یگانگت کی باتیں جاری رہیں۔

اب بیگم صاحبہ کا دارالحکومت مسعود کا گھر تھا۔ جس میں سعدیہ کے حصے میں وہ کمرہ آیا تھا جس میں نازلی رہا کرتی تھی۔ مسعود نے اپنا کمرہ خود بیگم صاحبہ کے لیے بڑے اہتمام سے آراستہ کیا تھا اور خود اپنے لیے وہ کمرہ لے لیا تھا جس میں ریاض تبدیلی آب و ہوا کے لیے کبھی کبھی آیا کرتے تھے مگر اب اُن کو یہ زحمت فرمانے کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ بیگم صاحبہ کا بہت بڑا مکان ان کے قبضے میں تھا۔ بیگم صاحبہ کے مکان میں منتقل ہونے کے سلسلے میں ریاض کی والدہ نے کچھ تکلف ضرور برتا تھا۔ مگر جب مسعود نے ان کو سمجھا دیا کہ ہمارے ہاں اس قسم کے تکلفات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ تکلف ہمارے اعتبارات میں بیگانگی کا درجہ رکھتا ہے اور اگر آپ کو یگانگت کا ثبوت دینا ہے تو ان خواہ مخواہ کے ڈھکوسلوں میں نہ پڑیں۔ اس کے علاوہ خود بیگم صاحبہ نے ان کو سمجھایا کہ چونکہ میں مسعود کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں اور اپنا مکان نہ تو کرائے پر دے سکتی ہوں نہ خالی چھوڑ سکتی ہوں لہٰذا آپ کا وہاں رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مکان ان لٹیروں سے بھی محفوظ ہے جو اس مکان کو لوٹنے کے عادی ہو چکے ہیں اور ہر چند کہ اب اس مکان میں، میں نہیں مگر خالی مکان ان زندہ بھوتوں کا آسانی سے ڈیرا بن سکتا ہے۔ بہر حال ریاض کی والدہ کو اتنے دلائل کے ساتھ اس مکان میں رہنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا مکان چھوڑ کر اسی مکان میں جا بسیں۔

مسعود کے مکان کا چارج لینے کے بعد ہی بیگم صاحبہ نے ایک دن صبح کی چائے پر جب کہ اتفاق سے سب ہی موجود تھے ایک عجیب طریقے سے شروع کرتے ہوئے فرمایا۔

”اس مکان کے کمروں کی جو تقسیم ہوئی ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ سعدیہ بی بی کے پاس جو کمرہ ہے وہ ان کے لیے بہت چھوٹا ہے اور مسعود میاں کے پاس جو کمرہ ہے وہ بھی اتنا بڑا نہیں جتنا ہونا چاہیے“

مسعود نے کہا۔ ”جی نہیں میرا کمرہ میرے لیے بہت کافی ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”اور فرض کر لیجیے کہ آپ کے علاوہ کسی اور کا کمرہ بھی بننے والا ہو تو۔؟“

مسعود سے پہلے ریاض نے اس بات کو سمجھ کر کہا۔ ”اچھا اچھا یہ بات ہے۔ جی ہاں وہ کمرہ میرے لیے بھی اسی وقت تک کافی رہا جب تک میں واحد حاضر جمع غائب تھا۔ عجیب کنوارا کمرہ ہے۔“

نازلی نے کہا۔ ”غالباً اسی اعتبار سے سعدیہ باجی کا کمرہ بھی چھوٹا کہا جا رہا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا۔ ”مجھے یہ فکر دو تین دن سے تو تھی ہی مگر آج خصوصیت سے اس لیے ہے کہ آج ہی شام کو میں سعدیہ اور مسعود دونوں کے کمروں کو خالی کرا کر ایک ایسا کمرہ آباد کرانا چاہتی ہوں جس میں ان دونوں کمروں کے مکین بس سکیں۔“

ریاض نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آج ہی؟ یعنی آج ہی شب کو؟“

بیگم صاحبہ نے فیصلہ کن انداز سے کہا۔ ”جی ہاں آج ہی۔ سوال یہ ہے کہ آج ہی کیوں نہ ہو۔ ہم کو کوئی انتظام تو کرنا ہی نہیں۔ مسعود میاں اکی شرط بھی تو یہی تھی کہ ان کی شادی کو تماشہ نہ بنایا جائے جس میں دولہا سرکس کا جانور معلوم ہوتا ہے۔ نہ وہ

محفل چاہتے ہیں نہ دھوم دھام، نہ دعوت، نہ کچھ اور، جب اِسی قسم کی چُپ چپاتی ان کی شادی ہونا ہے تو آج ہی کیوں نہ ہو۔"

ریاض نے کہا۔ "صاحب کسی قسم کی ہو مگر ہو تو سہی میں خود آپ کی تائید میں ہوں کہ واقعی آج ہی ہونا چاہیے۔"

سعدیہ تو ایک طرف کو کھسک گئی مگر ریاض کی والدہ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ "بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ نہ منگنی نہ مانجھا بس ایک دم سے شادی۔"

ریاض نے کہا۔ "امی جان آپ نہیں جانتیں ان مسعود صاحب کو ان کی رضا مندی سے فوراً فائدہ اٹھالینا چاہیے۔ ورنہ جانے کل ان کی رائے کچھ اور ہو جائے۔ مزاج یار کی طرح ان کا بھی اعتبار نہیں۔ ہم لوگ اپنے ارمان بعد میں نکال لیں گے۔ مگر خدا کے لیے پھنسے ہوئے شکار کو ڈھیل نہ دیجئے۔"

مسعود نے کہا۔ "خیر آپ تو فرما رہے ہیں بکواس اور محض اس تصور سے خوش ہو رہے ہیں کہ جس حماقت میں آپ تنہا نظر آتے ہیں اس میں آپ کو جلد سے جلد اپنا کوئی ساتھی مل جائے۔ مگر میں اس تجویز کی اس لیے تائید کر رہا ہوں کہ میں جو سادگی اور بے تکلفی چاہتا ہوں وہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اہتمام کرنے کا وقت ہی نہ مل سکے کسی کو۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "بہر حال میں نہایت خاموشی کے ساتھ خدا بخش کو اپنے اعتماد میں لے کر اتنا انتظام تو کر ہی چکی ہوں کہ آج شام کو مسعود میاں اس گھر سے دولہا بن کر ریاض میاں کے گھر جائیں گے، جہاں ریاض میاں کی والدہ دلہن کی ماں کے فرائض انجام دیں گی اور بحیثیت سمدھن کے میرا خیر مقدم کریں گی۔ وہیں نکاح ہوگا اور نکاح کے بعد نہایت شان دار سادگی کے ساتھ ایک مختصر سا عصرانہ ہوگا۔ جس میں گنتی کے پندرہ آدمی ہوں گے جن کو دعوت نامے بھیجے جا چکے ہیں۔ پھر رخصتی ہوگی اور سہ پہر کو اس کوٹھی میں مسٹر اور مسز مسعود کی طرف سے ایٹ ہوم ہوگا جس میں سو سوا سو مہمان ہوں گے۔"

مسعود نے کہا۔ "بس مجھ کو اسی ایٹ ہوم سے اختلاف ہے۔ یہ ہے اہتمام والی بات۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "خیر یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ آپ کی ہر بات مان لی جائے۔ آپ سے کوئی مطلب نہیں۔ آپ تشریف رکھئے اور ریاض میاں آپ میرے ساتھ چلیے ذرا اپنے گھر، کچھ ضروری انتظامات کرنا ہیں۔"

بیگم صاحبہ ریاض کو لے کر اپنے سابق دولت کدے پر تشرف لے گئیں اور وہاں سے دونوں ایک وکیل کے پاس گئے۔ پھر رجسٹرار کی کچہری میں تقریباً دو گھنٹے صرف کر کے کچھ لکھا پڑھی کرتے رہے اور اس کے بعد مسعود کی کوٹھی واپس آ کر بیگم صاحبہ نے ریاض کے ساتھ سعدیہ کو بھی اس کوٹھی سے اپنے گھر بھجوا دیا۔

شام کو بیگم صاحبہ مسعود کو لے کر خدا بخش کے ساتھ اپنے گھر پہنچیں۔ وہاں مسعود کے مخصوص احباب کا اجتماع تھا اور ایک مولانا نہایت وقار کے ساتھ ایک طرف تشریف فرما تھے۔ مسعود کے پہنچتے ہی ریاض بنے وکیل، احسن اور اقبال بنے گواہ اور دلہن سے پوچھنے کے بعد باہر آ کر ریاض نے نہایت قرأت سے فرمایا۔

"السلام علیکم"

تمام حاضرین نے "وعلیکم السلام" کہہ کر مولانا کی طرف رُخ کیا اور مولانا نے دولہا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے خطبۂ نکاح شروع کیا۔ اس وقت صرف مرد ہی نہیں بلکہ اس محفل میں بیگم صاحبہ۔ نازلی۔ زہرہ اور ریاض کی والدہ بھی موجود تھیں۔ خدا بخش چھواروں کی کشتی اپنے چارج میں لیے نہایت معتبر بنے بیٹھے تھے۔ مگر نکاح کے بعد وہ لُٹس پُٹی کی خدا بخش کا تمام اہتمام دھرا رہ گیا اور بجائے اس

کے کہ وہ چھوارے تقسیم کرتے لوٹنے والوں نے کشتی صاف کردی۔

جب اس اجتماع میں سکون پیدا ہوا تو بیگم صاحبہ نے مسعود کو ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا۔

"اس کو چاہے تم سلام کرائی سمجھو خواہ اپنی دلہن کی منہ دکھائی قرار دو۔ بہر حال میرے پاس یہی تھا جو تمہارے سپرد ہے اور دوسرا کاغذ ریاض کو دیتے ہوئے کہا۔ "ریاض میاں یہ تمہارا قرض تھا جو آج ادا کر رہی ہوں۔"

مسعود کے کاغذ میں بیگم صاحبہ نے اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائداد سوائے اس مکان کے جس میں ریاض رہتا تھا۔ مسعود کے حوالے کی تھی۔ ریاض والا کاغذ اس مکان کا بیعنامہ تھا جس میں ریاض رہ رہا تھا اور خدا بخش والے کاغذ میں وہ تمام رقم خدا بخش کو دے دی گئی تھی جو اجمل سے سعدیہ نے واپس لی تھی۔ اور سب تو خیر بیگم صاحبہ کے اس فیصلے کی داد ہی دیتے رہ گئے، مگر خدا بخش جا کر سعدیہ کو بھی اس محفل میں لے آیا اور سب کے سامنے اس نے کہا۔

"میں نے سعدیہ بی بی کو بیٹی کی طرح پالا ہے اور اب اس بیٹی کے جہیز میں یہ کاغذ دے رہا ہوں۔ اس لیے کہ یہی میری وارث ہیں۔"

اور سب نے دیکھ لیا کہ بڈھا خدا بخش بیگم صاحبہ سے بھی زیادہ فیاض نکلا۔

ختم شد